ابن عبدالوہاب نجدی کی مسلمانوں کو شہید کرنے کی داستان

تاریخ وہابیہ نجدیہ سعودیہ

رمز الجہاد

سیرۃ آل سعود والشیخ محمد بن عبدالوہاب

سنہ ۱۳۸۶ھ

تالیف

محمد شریف پروفیسر

مدینہ یونیورسٹی و مدرس الحرمین الشریفین

المدینۃ المنورۃ

فہرست مضامین رمز الجہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَہُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَبَعْدُ!

قرآن حکیم کے حقائق سے یہ چیز بالکل واضح ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے کتنے ہی اعداء اور دشمن ہوتے رہے۔ جو کہ اُن کی دعوت کے پھیلنے میں سدِ راہ بنتے رہے۔ اور اپنی ساری قوتیں حق کے مٹانے میں صرف کرتے رہے۔ اور انبیاءؑ کی دعوت کو غلط ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے الزام بھی تراشتے رہے۔ اور اس طرح لوگوں کو حق کی راہ سے روکتے رہے۔ اسی طرح ہر داعی حق کے بھی کچھ اعداء اور دشمن ہوتے ہیں جن کی انتہائی کوشش ہوتی ہے۔ کہ کسی طرح یہ حق کی آواز گم ہو جائے۔ اور وہ لوگوں کے دلوں میں کچھ شکوک و شبہات پیدا کر کے انہیں قبولِ حق سے باز رکھیں۔ اِن تمام حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ وہ حق کا بول بالا کرتا ہے۔ اور باطل کی گردن توڑ دیتا ہے۔ انہی داعیانِ حق میں سے امام المسلمین اور بارھویں صدی کے مجددِ اعظم شیخ محمد بن عبد الوہابؒ نجدی بھی ہیں۔ انہوں نے نجد اور جزیرۂ عرب میں جن حالات میں آنکھ کھولی وہ قارئین کو اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوں گے۔ بہر حال رشد و ہدایت پانے کے بعد جب شیخ نے دعوتِ علم بلند کیا تو چاروں طرف سے مخالفت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اس دعوت کو روکنے کے لئے کس کس طرح اور کتنے کتنے الزام لگائے گئے۔ اِس سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احیا کرنے والے کے متعلق یہاں تک تو کہا گیا کہ یہ دشمن سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وہ مردِ خدا ان تمام پُرخار وادیوں کو دامن سمیٹ کر چیرتا چلا گیا۔ اور ایک ایسی حکومت کی طرح ڈالی جس نے دنیا کی تمام حکومتوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور ساری

دنیا یہ خطرہ محسوس کرنے لگی کہ یہ دعوتِ حق کہیں انہیں اپنی لپیٹ میں نہ لے لے چنانچہ شیخ اور آلِ سعود جو اس مقدس جہاد میں سر کی بازی لگا چکے تھے۔ ساری دنیا نے انہیں بدنام کرنا شروع کیا۔ کہ یہ ایک نئے دین کی ایجاد کے فکر میں ہے۔ اور مسلمانوں کو گمراہ کر کے ایک غلط راہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ چنانچہ مصر، شام، عراق اور ترکی، تمام اسلامی حکومتیں ان کے پیچھے پڑ گئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب پر غالب کیا اور حق کا بول بالا کیا۔

پیش کردہ کتاب "رمز الجہاد فی سیرت آل سعود والشیخ محمدؐ بن عبدالوہابؒ" یہ کوئی صرف تاریخ اور سیرت کی کتاب ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقائق کا مرقع ہے۔ جس میں اُن شکوک و شبہات کا ازالہ مقصود ہے۔ جو کہ شیخ اور آپ کی دعوت پر عائد کئے گئے ہیں۔ ایک طرف یہ کتاب توحید اور دین کے حقائق بیان کرنے میں رہنمائی کرتی ہے۔ اور دوسری طرف ایک صحیح اسلامی حکومت کے خدوخال بھی نمایاں کرتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ اسلامی نظام اور شرعی حکومت کے قیام سے دنیا کن کن نعمتوں سے متمتع ہوتی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب سے مقصود حقائق کا بیان اور شکوک و شبہات کا ازالہ ہے۔ تاکہ حق پسند لوگ حق کے حصول کے بعد حق کی اتباع کریں۔ اور ارباب حکومت کو سوچنے کا موقع ملے کہ ملکی امن کو کیسے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

اختصار کے ساتھ شیخ محمدؐ بن عبدالوہابؒ کی ابتداء سے لے کر انتہا تک اُن کی زندگی کے حالات دعوت اور جہاد کا ذکر ہے۔ آلِ سعود جو کہ روزِ اول سے شیخ کی دعوت قبول کر کے اس کے پھیلانے کا عہد کر چکے تھے۔ اس وقت سے لے کر آج تک اُن کے جہاد اور حکومت الٰہیہ کے قیام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حق کا بول بالا کرے اور شکوک و شبہات دور کرنے کے بعد حق کی حمایت اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ وہو الموفق!

ان چند سطور کے بعد مجھے اُن احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا ہے۔ جنہوں نے

اس عظیم الشان کتاب کی طباعت کے لئے میرے ساتھ پورا پورا تعاون و اشتراک کیا ہے۔ اور اپنی مالی امداد سے مجھے اس قابل بنایا کہ یہ کتاب معرضِ وجود میں آرہی ہے۔ اُن احباب سے میری مراد جناب چوہدری عبد الغنی صاحب اور اُن کے احباب ہیں۔ جو کہ اپنے دلوں میں توحید و سنت کی نشر و اشاعت کا پورا پورا درد رکھتے ہیں اور ان کاموں سے اُن کو والہانہ محبت ہے۔ اس کے علاوہ حاجی محمد اسماعیل صاحب میٹھادر کراچی اور حاجی محمد حسین صاحب کراچی والے وہ بزرگ دوست ہیں جو کہ ہر کارِ خیر میں حصہ لے کر اس دنیا میں اپنے لئے اور اپنے آباؤ اجداد کے لئے کچھ صدقۂ جاریہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ان احباب کے تعاون کے بعد جو کمی محسوس کی جارہی تھی۔ وہ انجمن محمدیہ مسجد لسوڑیوالی لاہور نے پوری کردی۔ یہ وہ احباب ہیں جو کہ جماعت کے ہر کام میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ اس کارِ خیر کو قبول فرمائے اور ان تمام حضرات کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ جن جذبات اور تمناؤں کے پیشِ نظر انہوں نے یہ مساعدت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی امیدوں کو برلائے۔ آخر میں تمام قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مؤلف اور اُن احباب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں جن کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد کسی قسم کی کوئی تجارت یا نفع کمانا نہیں ہے۔ بلکہ خلوص اور عقیدت کا ایک مرقع ہے۔ اور توحید و سنت کی نشر و اشاعت کا ایک ولولہ ہے! اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

محمد شریف پروفیسر مدینہ یونیورسٹی و مدرس الحرم من الشریفین
المدینۃ المنورہ

۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

انسانی زندگی کے نشیب و فراز کو کون نہیں جانتا ہے۔ جب سے اللہ تعالےٰ نے انسان کو خلیفۃ الارض بنا کر بھیجا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ایک عظیم الشان انقلاب کی آماج گاہ بنی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق انسانی دنیا سے صرف یہ مطالبہ تھا کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے نظامِ حق کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ اور اسی کو دنیا میں جاری اور نافذ کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اپنے پہلو میں خیر و برکت کی بہت بڑی قوت لئے ہوئے ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شر کے مادہ سے بھی محفوظ نہیں۔ اس مقام پر آکر ہی دونوں قوتوں میں ایک ایسا ٹکراؤ ہوتا ہے کہ کبھی تو خیر کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اور شر دب جاتا ہے۔ اور کبھی شر اپنی گردن اتنے زور سے اٹھاتا ہے کہ خیر کے راستے گم ہو جاتے ہیں۔ اس کش مکش میں انسانی دنیا کا اتنا خون بہایا جا چکا ہے، کہ اگر اس کو ایک جگہ پر جمع کر لیا جائے تو شاید زمین میں خون کے سمندر بہنے لگیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم رہا کہ دینِ حق کے ٹمٹماتے چراغوں کو کبھی گل نہ ہونے دیا۔ جب بھی شر پسندوں نے حق کو مٹانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کی۔ انبیاء کرام کی جماعتوں نے اس کے دھندلے نشانوں کو پھر واضح کیا اور مجاہدین کی تلواروں نے کفر و شرک کے بڑے بڑے پہاڑوں کو کاٹ کر دینِ حق کے لئے راستوں کو ہموار کیا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اُن کے شامل حال رہی وہ بہت تھوڑی تعداد میں بھی باطل کا سر کچلتے رہے، اور دنیا کی کوئی قوت اور طاقت اُنہیں اس راہِ حق سے باز نہ رکھ سکی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے "کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰہِ" یعنی کتنی چھوٹی چھوٹی جماعتیں حق کی حمایت کے لئے اُٹھیں اور انہوں نے حق کو غالب کر کے چھوڑا۔ مگر بڑی سے بڑی فوج بھی اپنی پوری قوت سے ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کے ہاتھوں سے اپنے دین کو غالب کیا۔ اور اُس مٹھی بھر جماعت نے صفحۂ ہستی سے اُن کا نام و نشان مٹا دیا۔

پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دنیا پھر دوبارہ شر و فساد کا منبع بن گئی خلافت ارضی تو کیا لوگ اپنے خالق اکبر کو ہی بھول گئے۔ خدا کی جگہ انسانوں نے خدائی کے دعوے کرنے شروع کر دیئے۔ اِس دورِ ظلمت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے "خلیل" کو بھیجا انہیں کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا یہ داستان بہت طویل ہے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ دینِ حنیف کی بنیاد انہی کے ہاتھوں سے ڈالی گئی اور انسانوں کو ایک مرکز پر لا کر جمع کر دیا۔ اور اُن کے رُخوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف موڑا، جو کہ غیروں کی چوکھٹوں کی جبیں سائی کرتے تھے۔

دینِ حنیف کی ضیا پاشیوں نے نارِ نمرود کو گلزارِ خلیل میں بدل ڈالا۔ پھر کیا تھا۔ دنیا ایک امن کا گہوارہ بن چکی تھی اور امن و امان کی بارش برستی تھی۔ لوگ اپنے خدا کو پہچان چکے تھے اور دور دراز سے قافلے منزلیں طے کرتے ہوئے دیوانہ وار بیت اللہ کا عشق اپنے دلوں میں لئے ہوئے جوق در جوق آنے لگے۔ کفر و شرک کی گردن ٹوٹ چکی تھی اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب تھا۔

اس کے بعد پھر ایک ایسا دور آیا کہ فرزندانِ توحید دینِ حنیف سے دور ہٹنے لگے رفتہ رفتہ اُن کی بیزاری کا یہ عالم ہوا کہ اُنہوں نے اپنے معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر پتھروں

اور درختوں کی پوجا شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے زمانۂ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس دَور میں دنیا ہر قسم کی خرابیوں اور شر کا منبع بن چکی تھی۔ عرب کیا ساری دنیا پر کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہُوئے تھے۔ اخلاقی قدریں پوری طرح سے منہدم ہو چکی تھیں۔ انسانیت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ شاید درندوں کی دنیا اِس سے بہتر ہو گی۔

اِس دَورِ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا۔ حضورؐ کی بشارت تمام انبیاءؑ نے دی اور آسمانی کتابوں میں آپ کے ظہور کے ترانے گائے جاتے رہے۔ تورات اور انجیل میں حضورؐ کی آمد اور بعثت ایمان میں داخل تھی۔ بہر حال یہ عرب کا چاند آمنہ کی گود میں طلوع ہُوا۔ اِس کے طلوع ہوتے ہی ظلمتوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹنے شروع ہُوئے۔ آتش پرستوں کے آتش کدوں کی آگ بجھ گئی اور قیصر و کسریٰ کے عالیشان محلوں کے مینار ہادیٔ برحق کی تعظیم کے لئے سرنگوں ہو گئے۔

نبیوں کا سردار فاران کی چوٹیوں پر سے گونجا اور خدا کا آخری پیغام لوگوں کو سنایا کفر و شرک نے اپنا پورا زور لگایا کہ کسی طرح یہ نور گُل ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ نورِ نبوّت ساری دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ "وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ"۔ یعنی کفر چاہے کتنا ہی زور کیوں نہ لگائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پھیلا کے چھوڑے گا۔

بہر حال یثرب کی مبارک سرزمین رشد و ہدایت کا مرکز بنی اور وہاں سے توحید و سنت کے ایسے وسیع چشمے پھوٹے جنہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام رُوئے زمین کو نورِ ایمان سے سیراب کر دیا۔ آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ اور کفن بردوش مجاہدین کفر و شرک کی صفوں کو چیرتے چلے گئے۔ وہ دنیا کے ایک کنارے سے

دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ مگر بڑی سے بڑی طاقت اُن کا مقابلہ نہ کر سکی۔ انہوں نے خشکی پر ہی اپنا رعب نہیں جمایا تھا۔ بلکہ دریاؤں اور سمندروں تک کو انہوں نے مسخر کر لیا۔ ۶

دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے۔

اسلام اپنے پورے شباب میں تھا اور دنیا امن وچین کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ابن آدم اسلام میں داخل ہونے کو اپنے لئے باعثِ رحمت اور ذریعۂ نجات سمجھنے لگا۔ اللہ اکبر کی صدائیں بحر وبر میں گونج اٹھیں اور ہر ہر گھر میں ایک خدا کی پوجا ہونے لگی۔ ابھی ایک صدی بھی گذرنے نہیں پائی تھی کہ نورِ اسلام میں کمی محسوس ہونے لگی کفر و شرک کے بجھے ہوئے کوئلے پھر آہستہ آہستہ سُلگنے لگے۔ شر وفساد کا دھواں چاروں طرف پھیلنا شروع ہُوا۔ اسلام کے فرزند ہی اسلام کو مٹانے میں مصروف ہوگئے۔ بس پھر کیا تھا ہر نیا دن جو طلوع ہوتا تھا وہ اسلام کے لئے ایک موت کا پیغام لاتا تھا۔ مسلمان خوابِ غفلت میں مدہوش تھے، اور دشمنانِ اسلام اسے مٹانے کی کوشش میں شب وروز مصروف تھے۔ مختلف مقامات پر مجاہدینِ اسلام روک تھام کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مگر یہ بکھری ہوئی قوتیں اس طوفان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

سرفروش نا امید نہیں ہُوئے تھے۔ وہ کفر وشرک کی چٹانوں سے ٹکراتے رہے۔ اور راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔ سرفروشوں کی جماعتیں دنیا کے مختلف مقامات سے اٹھتی تھیں کبھی مصر میں ان کا چرچا ہوتا تو کبھی ہندوستان میں اس کا شور برپا ہوتا تھا۔ مگر کامیابی کسی طرف سے بھی نہیں ہو رہی تھی۔ خود عرب کی حالت اور خصوصاً سرزمین حجاز جہاں سے توحید وسنت کی نہریں پھوٹی تھیں کفر وشرک کا ایک مرکز بن چکا تھا۔

بارہویں صدی ہجری میں جبکہ تمام کی تمام اسلامی دنیا دم توڑ رہی تھی اور جاہلیت پروان چڑھ رہی تھی۔ ایسے وقت میں ہندوستان میں سید احمدؒ بریلوی اور اسماعیلؒ شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لے کر کفر سے برسرپیکار تھے مجاہدین بالاکوٹ کے مقام پر اپنا خون بہا رہے تھے اور ہندوستان کے کروڑوں مسلمان اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

ادھر مجدّد اعظم شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب اور اُن کے ساتھی جزیرہ عرب کو کفر و شرک اور بدعات و خرافات سے پاک و صاف کرنے کے لئے برسرپیکار تھے۔ شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کی تحریک ایک ایسی کامیاب تحریک ہے جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ دنیا پر ایک رُعب اور خوف طاری ہو چکا تھا۔ کفر کے بڑے بڑے مراکز صف ماتم بچھائے بیٹھے تھے۔ جن حالات میں شیخ کا ظہور ہُوا اُس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کوہ پیکرِ انسان نے کس طرح سے ان حالات پر قابو پایا جو اُسے اُس وقت درپیش تھے۔ ان کی سیرت اور تاریخ داعیانِ حق کے لئے ایک نشانِ راہ ہے۔

بارہویں صدی کے مجدّد اعظم نے جن حالات میں توحید کا علم بلند کیا وہ قابلِ ذکر ہی نہیں بلکہ قابلِ تعریف بھی ہے۔ نجد و حجاز ہی کیا ساری دنیا ہی شر و فساد اور بے دینی کا مرکز بن چکی تھی۔ انہی حالات پر قابو پانے کے لئے شیخ نے، اپنی زندگی وقف کی اور تمام قوتوں کو اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔

کاش! موجودہ دنیا کے علمأ و صلحاً اس قسم کا علم بلند کریں اور توحید و سنت کی نشر و اشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ شاید اس دور کے حکمرانوں میں سے کوئی اللہ کا مخلص بندہ ایسا نکل آئے جو حق کی حمایت میں کمربستہ ہو کر علماءِ اسلام کے ساتھ تعاون کر کے اسلام کی گرتی ہوئی بنیادوں کو استوار کرنے میں مدد دے اور دنیا و آخرت میں کامران و کامیاب ہو۔ ان صفحات میں جو کہ ناظرین

کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں انہی شخصیتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں علمِ جہاد بلند کیا۔ اور جس کے اثرات سے آج بھی دنیائے اسلام متمتع ہو رہی ہے۔ ان پاکیزہ روحوں سے میرا مقصود شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب اور آل سعود ہیں جنہوں نے نجد و حجاز کی حکومت پر قابو پا کر عین کتاب و سنت پر اس کی بنیاد رکھی۔ اور ان حالات میں جبکہ ساری دنیا اسلام سے منحرف ہو چکی تھی۔ اور اسلامی نظامِ حکومت کو مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بھی یہ حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہے اور پوری اسلامی دنیا کو چیلنج کر رہی ہے کہ اسلامی نظام حکومت کے بغیر اس دنیا کا کبھی امن برقرار نہیں رہ سکتا۔ خالق اکبر اور رب العالمین کے نظام اور ضابطہ کو چھوڑ کر سوائے شر اور فساد کے اور کس چیز کی امید ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کا نام رمز الجہاد اسی لئے تجویز کیا گیا ہے کہ اس میں مسلمان قوم کے لئے ایک عبرت اور نشانِ راہ ہے کہ کس طرح شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب اور آل سعود نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ دعوت سے پہلے حالات کیا تھے اور دعوت کے بعد حالات نے کس طرح پلٹا کھایا۔ اختصار کے ساتھ شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کی زندگی کے جملہ حالات۔ دعوت اور اُس کے ساتھ متعلقہ امور بیان کئے جائیں گے۔ پھر آل سعود کا مستمر جہاد اور دعوتِ حق کو زندہ رکھنے کی پیہم کوشش جو آج بھی دنیائے اسلام کے لئے مشعل راہ ہے کا ایک اہم خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ آج جبکہ اس مبارک کتاب کی ابتدا کر رہا ہوں عین اس وقت امیر فیصل کی بیعت کا اعلان ہو رہا تھا۔ جسکو سعودی شعب اور جمہور علمأ جو کہ سعودی عرب اور حرمین سے متعلق ہیں نے انہیں گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر سعودی عرب کا بادشاہ تسلیم کیا ہے۔ بیعت کے وقت قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو رہی تھی جبکہ تمام علمأ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم آپ سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعت کر رہے ہیں وہ خود جبکہ بیعت لے رہے تھے تو اسی بات کا اقرار کر رہے

تھے کہ میں آپ سب سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر بیعت لے رہا ہوں۔
اس کے بعد انہوں نے اپنی قوم کے سامنے جو سب سے پہلے خطاب کیا اُس میں اِس
بات کا اقرار کیا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول کے اوپر چلوں گا اور جہاں تک میری
کوشش ہے اسلامی شریعت کے نفاذ کی کوشش کرتا رہوں گا۔ ہماری حکومت کی
بنیاد کتاب و سنت پر ہی ہوگی جن بنیادوں پر ہمارے والد مرحوم نے اِس ملک کی بنیاد
ڈالی تھی اُس میں سرِ مو فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ ہم اسلام اور مسلمانوں کی ترقی
کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔ اور اپنی قوم کے جملہ مسائل حل کرنے میں اپنی پوری
قوت صرف کر دیں گے۔ جب یہ خطبہ سنایا جا رہا تھا۔ تو خلفاءِ راشدین کے زمانہ کی
یاد تازہ ہو رہی تھی۔

سرزمین نجد میں وادیٔ حنیفہ جو کہ شیخ کی ولادت گاہ ہے اِسی میں مسیلمۂ کذّاب
کا ظہور ہُوا تھا جسے یمامہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے۔ کہ
آنحضورؐ کے پاس عرب کے مختلف وفود اور قبائل اسلام قبول کرنے کے لئے آتے تھے
اِن سب وفودوں میں بنی حنیفہ کا وفد جس میں مسیلمۂ کذاب بھی تھا اسلام اور جرأت
میں سب سے بہتر پایا۔ حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے وہ فرماتے ہیں
کہ سب سے بہتر وفد جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا بنی حنیفہ کا تھا۔ یہ وہ لوگ
تھے جنہوں نے قرآن مجید کو پڑھا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حاصل
کی۔ مگر اہل یمامہ پر سب سے بڑا فتنہ انہی کی وجہ سے نازل ہُوا۔

جب یہ وفد یمامہ لوٹا تو مسیلمۂ کذّاب نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ آنحضورؐ نے مجھے
اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اور اِسی قسم کا خط بھی آنحضورؐ کو لکھا جو کہ تاریخ اور حدیث
کی کتابوں میں صحیح طور پر مذکور ہے۔ وہ یوں لکھتا ہے کہ یہ خط مسیلمۂ رسول اللہ کی طرف
سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا گیا ہے۔ اِس کذّاب نے اپنے آپ کو اس

خط میں رسول ظاہر کیا۔ اور کہا کہ مجھے آپ کی نبوت میں شریک کیا گیا ہے اس لئے آدھا ملک آپ کا اور آدھا میرا ہوگا۔

چنانچہ آنحضورؐ نے اُس کا خط پڑھنے کے بعد اُسے جواب لکھا۔ فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمۃ کذاب کو لکھا گیا ہے۔ فرمایا اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰہِ یُوۡرِثُہَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ یعنی زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخرت متقین کے لئے ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد اس نے سر اٹھایا اور اپنی نبوت کا اعلان پورے زوروں پر کیا۔ وادیٔ حنیفہ کے اکثر لوگ اس کے دامِ فریب میں آگئے اور اس کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کر کے اس پر ایمان لے آئے۔ دوسری طرف مرتدین کا فتنہ زوروں پر تھا آپؐ کے وصال کے بعد ہی کئی قبیلے مرتد ہو گئے۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور بعض نمازیں چھوڑ کر پھر جاہلیت کی زندگی اختیار کرنے پر فخر کرنے لگے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑی جرأت سے کام لیا خلافت سنبھالتے ہی ان فتنوں کو فرو کرنے کے لئے مختلف لشکر تیار کئے تاکہ ان سب فتنوں کا قلع قمع کیا جائے۔ سب سے بڑا لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ جو مرتدین کی سرکوبی کرتے ہوئے یمامہ پہنچے۔ وہاں انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط موصول ہُوا۔ کہ مسیلمۂ کذّاب کے فتنہ کو کسی طرح ختم کیا جائے گو صحابہ کرام کا لشکر پیہم جہاد کرتے تھک چکا تھا مگر اس فتنہ کو فرد کرنا بھی ضروری تھا۔ وادیٔ حنیفہ میں بہت شدت اور خونریز جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ کذّاب کو قتل کیا گیا اور اُس کے ساتھیوں میں سے سات ہزار سے زیادہ قتل ہوئے۔ اس جنگ میں صحابہ کو بھی بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ قرآن پاک

کے حافظ اور قاری اس جنگ میں بڑی کثرت کے ساتھ شہید ہوئے۔ حضرت زیدؓ بن الخطاب جو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ اور اسی سرزمین میں ان کا مدفن بنا۔ یہ وہی مزار تھا جس پر اہل نجد آکر مرادیں مانگتے تھے اور پورے نجد کا ایک شرک کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہر قسم کی نذریں نیازیں چڑھتی تھیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ آگے چل کر اس کا بیان آئے گا کہ شیخ محمدؒ بن عبدالوہابؒ نے کس طرح لوگوں کو اس شرک سے باز رکھا۔ ان حالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضورؐ کے جانثار صحابہ کرام کسی دوسرے نبی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے وہ خوب جانتے تھے کہ آنحضورؐ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔ قرآن پاک کی شہادتیں اور حضورؐ کے فرمان اُن کی نگاہوں میں تھے اور دلوں میں پیوست ہو چکے تھے۔ اسی لئے مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی مشقت میں ڈالا اور آخر اس کانٹے کو نکال پھینکا۔ انہوں نے اپنے اس عظیم الشان جہاد سے ثابت کر دیا کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ ظلی اور نہ بروزی اسی لئے قصرِ نبوت کو بچانے کے لئے اور حرمتِ سردارِ دوعالم کو باقی رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال دیں۔ اور کسی کاذب نبی کا وجود تسلیم نہ کیا۔ کتنی تعداد میں حفاظِ قرآن اس جنگ میں مردانہ وار شہید ہوئے۔ حضرت خالدرضؓ کی قیادت میں مسیلمہ کذّاب کا سر قلم کر کے نیزے کی نوک پر ٹانک کر خلیفہ اوّل کے قدموں میں رکھا گیا اور اس طرح ختمِ نبوتؐ کے روشن چراغ کو نہ بجھنے دیا گیا۔

یہ تھی وہ امت اور یہ تھے وہ عاشقانِ رسول اور یہ تھے وہ شمعِ محمدی کے پروانے جو عصمتِ رسولؐ کے لئے بڑی بڑی قوت سے نہ ڈرے اور نہ ہی اُن میں کسی قسم کی مداہنت آئی۔ آج ہماری اسلامی غیرت کیا اس قابل ہے کہ اس پر فخر کیا جائے

قیامت کے دن سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ جب کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہی قصرِ نبوت مسمار ہو رہا ہے اور تاجِ ختمِ نبوت فخرِ انبیاء کے سر سے اُتارا جا رہا ہے ہر مسلمان کو اس سے اپنی برئیت ظاہر کرنی چاہیئے۔ ورنہ قیامت کے دن اِس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں ہوگا۔

قرآن پاک کے جمع اور تدوین کا بھی یہی سبب تھا کہ جب بڑے بڑے حفاظِ قرآن صحابہؓ کرام میں سے اِس جنگ میں شہید ہُوئے تو حضرت عمر فاروقؓ کو خطرہ لاحق ہُوا کہ کہیں اسی طرح اگر رفتہ رفتہ حاملینِ قرآن شہید ہوتے گئے تو قرآن کی تعلیم اور حفاظت میں بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کو مشورہ دیا کہ قرآن کو جمع کیا جائے اور پورا لکھ کر محفوظ کر لیا جائے تاکہ ضائع ہونے کا خطرہ ختم ہو جائے۔

جھوٹی نبوت کا قصرِ شاہی پاش پاش ہُوا جو کہ اپنی ایک مستقل حکومت بنا چکے تھے۔ قتل سے جو بچ گئے تھے ایک عبرت کا نمونہ تھے سوائے اسلام کے انہوں نے اپنے لئے کوئی پناہ نہ دیکھی۔ بگڑے ہوئے حالات بدلنے لگے اور سرزمین عرب میں اسلام پھر سے پروان چڑھنے لگا۔ چاروں طرف توحید کا ڈنکا بجنے لگا۔

شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کے ظہور سے قبل نجد اور عرب کے حالات

مجددِ اعظم شیخ محمدؒ بن عبدالوہابؒ کے ظہور سے قبل نجد کیا تقریباً جزیرۂ عرب کا نصف شرقی حصہ بدعات و خرافات کا مرکز بن چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہاں کبھی دعوتِ اسلامی نے جنم ہی نہیں لیا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی تمام خرافات اور رسومات اِس خطۂ زمین میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ شرک پوری طرح پھیل چکا تھا۔ درختوں پتھروں تک کی پوجا اور عبادت ہونے لگی۔

قبروں پر مرادیں مانگی جارہی تھیں اور اُن پر قبے بنائے جارہے تھے۔ حالانکہ آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو ایک لشکر تیار کر کے دیا تھا کہ سارے جزیرۂ عرب کا چکر لگائیں جہاں بھی کوئی قبر ایک بالشت سے اونچی نظر آئے اسے پست کر دیا جائے۔ اور بتوں کو گرا دیا جائے اور جہاں بھی کوئی تمثیل اور بت نظر آئے اُسے تہہ و بالا کر دیا جائے۔

کس طرح حالات کو بدل دیا گیا غیر اللہ کی نذریں نیازیں دی جاتی تھیں۔ جنوں سے استعانت اور استعاذہ طلب کیا جاتا تھا۔ جنوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا۔ جنوں اور بتوں کے نام سے کھانے پکا کر اُن کے سامنے رکھے جاتے تھے۔ اور اس سے مریضوں کے لئے شفا طلب کی جاتی تھی۔ غیر اللہ کی قسمیں کھانے کا عام رواج ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ لوگ ہر قسم کے شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر میں مبتلا ہو چکے تھے۔

بعض چیزیں تو ایسی اُن میں گھر کر چکی تھیں کہ دین سے باہر ہیں شیطان نے انہیں ایسے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ یہ لوگ اپنے خالق اکبر کو بالکل بھول چکے تھے۔ حضرت زید بن الخطابؓ کی قبر کو اپنی مشکلات اور مصائب کا علاج سمجھتے تھے۔ اور صاف لفظوں میں ان کا نام لے لے کر پکارتے تھے کہ اُن کی تکلیفوں کو دور کریں اور اُن کی بگڑی ہوئی بنائیں۔ اور اُن کی حاجتیں پوری کریں۔ یہ قبر جبیلہ میں مشہور تھی اس کے علاوہ اور بھی بعض صحابہؓ کی قبریں تھیں جو کہ عوام کا مرجع بنی ہوئی تھیں۔ عوام کے دلوں پر ان کا خوف و رعب طاری تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ ان قبروں سے ڈرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے ناراض ہو جانے سے ان کا سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اسی سرزمین میں ایک کھجور کا درخت تھا جو کہ فحال کے نام سے معروف تھا مرد و

زن صبح وشام اس کے گرد آکر جمع ہوتے تھے۔ اور وہاں بڑے بڑے قبیح افعال ان سے
سرزد ہوتے تھے۔ اُس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ نوجوان لڑکیاں جن کی شادیوں میں
تاخیر ہو جاتی تھی اس درخت سے آکر بغلگیر ہوتی تھیں۔ اور بڑے خشوع وخضوع سے
اُسے پکارتی تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ اے فحل الفحول سال ختم ہونے سے پہلے پہلے ہمیں
شادی کی ضرورت ہے۔ اور اس عقیدہ پر واپس لوٹ جاتی تھیں کہ اب ان کی شادی
ضرور ہو جائے گی۔ ایک مشہور درخت جسے شجرہ طرفیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا
تھا لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ جب کسی عورت کے لڑکا پیدا ہوتا تھا۔
تو بعض کپڑے کے ٹکڑے اس درخت پر لٹکا دئے جاتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے
تھے کہ ایسا کرنے سے ان کا بچہ موت سے محفوظ رہے گا۔ حالانکہ موت وحیات اللہ تعالےٰ
کے ہاتھ میں ہے۔ مگر ان جاہلوں نے موت وحیات درختوں کے سپرد کر رکھی تھی۔

درعیہ کی نچلی جانب ایک مشہور غار تھی لوگوں کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے
اس غار کو ایک عورت کے لئے پیدا کیا تھا جس کا نام بنت الامیر تھا۔ بعض فساق و
فجار نے جب اُس پر دست درازی کرنی چاہی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائی
اور دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ اُسے ظالموں کے پنجہ سے نجات دلائے اللہ تعالیٰ نے اُس
کی دعا منظور کی اور غار کا منہ کھل گیا اور وہ اُس میں داخل ہو گئی۔ یوں اللہ تعالےٰ
نے اُسے اس برائی سے بچا لیا۔ لوگ اس غار کی طرف گوشت روٹی اور قسم قسم
کے کھانے بھیجنے لگے یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ اس غار میں زندہ ہے۔ اور
چونکہ وہ اللہ کی نیک بندی ہے اس لئے وہ آنے والوں کی حاجتیں پورا کرتی ہے
اور وہ اُن کے کھانوں کو قبول کرتی ہے اور اُسے کھاتی ہے۔

انہی ایام میں خرج میں ایک آدمی جس کا نام تاج تھا ولی اللہ مشہور تھا۔ لوگ اُس
پر ایک خاص قسم کا اعتقاد رکھتے تھے اور اُسے نفع ونقصان کا مالک تصور کرتے تھے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر نفع نقصان کا کوئی مالک ہی نہیں۔ وہی جس کو چاہے نفع پہنچائے اور وہی جس کو چاہے نقصان پہنچائے "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شہر خرج میں سے یہاں درعیہ وغیرہ میں نذریں نیازیں وصول کرنے کے لئے آتا تھا اور تمام پر اُس کا رعب اور دبدبہ طاری تھا حتیٰ کہ حکام اور اُن کے حاشیہ بردار بھی اُس سے خائف تھے۔ اس لئے اُس سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُس کی بڑی بڑی قبیح حرکتوں پر بھی اُسے منع نہیں کرتے تھے اور اُس کی ہر جھوٹی بات کی تصدیق کرتے تھے وہ آنکھوں سے اندھا تھا اس لئے لوگ عام طور پر اُس کے متعلق یہ مشہور کرتے تھے کہ وہ اپنے شہر خرج سے اکیلا ہی آجاتا ہے اور اُسے راہ دکھانے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تمام لوگ اُس کو اس کی کرامت تصور کرتے تھے۔ اِس قسم کی اور بھی کئی حکایات اُس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر لوگ صراطِ مستقیم سے ہٹ کر شرک و بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

حرمین کا حال

یہی حال تقریباً حرمین کا بھی تھا۔ یہ وہی گھر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ "وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ"۔ یعنی یاد کرو جبکہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ میں جگہ دی تھی اور کہا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کا طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک بنانا۔ اور یہ وہی پہلا گھر ہے جس کو توحید کا مرکز بنایا گیا تھا۔ اور یہاں سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹے تھے اِنَّ اَوَّلَ

بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یہ وہی تو گھر ہے جہاں سے حضورِ اکرم توحید کی وجہ سے نکالے گئے تھے۔ مگر جب فاتحانہ شان سے اس میں داخل ہوتے ہیں تو تمام بت سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ نے اُن تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور ببانگِ دہل یہ پکار رہے تھے اِذَا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یہی وہ مقام ہے، جب کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آج شیطان جزیرۂ عرب سے مایوس ہو کر بھاگ نکلا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اب یہاں غیر اللہ کی پوجا نہیں ہو گی۔

یہی وہ مرکز ہے جہاں پھر سے جہالت پروان چڑھنے لگی اور ظلمتوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھانے لگے۔ حضرت ابوطالب کی قبر مرجعِ خلائق بن چکی تھی۔ جب شریف مکہ نجد کے شہروں کا رخ کرتا تھا اور جیسے چاہتا تھا اُن کا مال و دولت لوٹ گھسوٹ کر لے آتا تھا اور جتنی مقدار میں چاہتا تھا اُن پر خراج اور محصول مقرر کر دیتا تھا۔ تو ایسی حالت میں لوگ حضرت ابوطالب کی قبر پر آکر استغاثہ پیش کرتے تھے اور اپنے مصائب کے دور کرنے کے لئے اُن سے فریاد طلب کرتے تھے۔

مجحوب کی قبر پر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کا بخشنے والا اور معاف کرنے والا اور کوئی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ اگر کوئی چور ڈاکو قاتل اور لوگوں کا مال غصب کرنے والا جرم کے بعد اس قبر پر چلا جاتا تھا تو کوئی بھی اُس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ چونکہ یہ اب مجحوب کی پناہ میں آگیا ہے اگر اس سے کسی قسم کی مزاحمت کی گئی تو اس سے اُن کا ہی نقصان ہو گا۔ اور یہ مجرمین وہاں آرام سے اپنا وقت گذارتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اب مجحوب کی پناہ میں آگئے ہیں اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اس کے برخلاف

اگر کوئی شخص انہی مجرموں میں سے کعبہ میں آجاتا تھا تو وہ لوگوں کی زد سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک، قبوں اور قبروں کی تعظیم بیت اللہ کی تعظیم سے زیادہ تھی۔

اسی طرف سرف۔ کے مقام پر حضرت میمونہ بنت الحارث ام المؤمنین کی قبر بھی مرجع عام بن چکی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی قبر پر وہ کچھ کیا جاتا تھا جو کسی مسلم کو زیب نہیں دیتا۔ اب بھی کتنے جاہل موسم حج میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو کہ بیت اللہ کو چھوڑ کر جنت المعلی میں جاتے ہیں اور حضرت خدیجہ رض کی قبر پر کھڑے ہو کر مرادیں مانگتے ہیں۔

طائف کی حالت

حضرت عبداللہ بن عباس رض کی قبر پر جو کچھ مردوں اور عورتوں کا اجتماع ہوتا تھا اور جس قسم کی خواہش اور منکرات مردوزن کے اختلاط سے سرزد ہوتی تھیں وہ بیان سے باہر ہیں۔

مدینہ منوّرہ اور حضورؐ کا روضہ اقدس

جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ہو رہا تھا اُسے سُن کر تو ہر مسلم کا دل پھٹ جاتا ہے۔ آپؐ کی قبر مبارک پر باقاعدہ رکوع و سجود ہوتا تھا۔ آپ کو پکار پکار کر مرادیں طلب کی جاتی تھیں۔ حالانکہ خود سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اور فرمایا کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا اور اُسے بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے اور یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

حضرت حمزہؓ کی قبر اور جنت البقیع میں جو کچھ کیا جاتا تھا وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہر قسم کی چوما چاٹی ہوتی تھی اور ہاتھ لگا کر برکت کا حصول عام ہو چکا تھا جدہ میں ایک ساٹھ ہاتھ لمبی قبر تھی جو کہ حضرت حوّا کی طرف منسوب کی جاتی تھی اور حالانکہ صحیح طور پر تاریخ سے ثابت نہیں۔ یہ قبر بھی ایک بہت بڑی زیارت گاہ بنی ہوئی تھی ہر قسم کی بدعات اور خرافات وہاں پورے زوروں پر سر انجام دی جاتی تھیں۔

ناظرین کے لئے یہ چیز بہت ہی تعجب خیز ہوگی کہ اِس مبارک سرزمین میں جہاں کہ سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہُوا اور آپ کی دعوت سے جزیرۂ عرب ایک بقعۂ نور بن گیا۔ جہاں توحید و سنت کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور جہاں سے وہ جماعت اٹھی جنہوں نے ساری دنیا میں کلمۂ توحید کو بلند کیا اور نورِ اسلام سے سارے عالم کو منوّر کر دیا۔ وہ پھر شرک و بدعات میں مبتلا ہو گئے۔ اور جہالت کی تاریک وادیوں میں سرگردانی کرنے لگے۔ اِن تمام امور کے چند اسباب ہیں جن کی بنا پر نورِ اسلام گم ہونے لگا اور سنت کی راہیں مسدود ہونے لگیں۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن بعض اسباب کا یہاں ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ ناظرین اندازہ کریں کہ کس طرح اسلامی دنیا میں تنزل ہُوا! اور کیوں کر اس کھوئی ہوئی پونجی کو دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جزیرۂ عرب کے باہر کی دنیا

ویسے تو دنیا کی فطرت ہی روزِ اول سے یونہی رہی ہے کہ ہر خیر کے بعد شر پروان چڑھتا رہا ہے۔ ایک پیغمبر کے بعد دوسرے پیغمبر کی ضرورت اسی لئے محسوس ہوتی رہی اور ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کا نزول اسی لئے ضروری ہُوا کہ بگڑی اور بھولی ہوئی دنیا کو پھر سے راہِ راست پر لایا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول آنے والا نہیں۔ اور آپ کی کتاب یعنی قرآن حکیم آخری کتاب ہے جس نے تمام سابقہ کتابوں اور ادیان کو منسوخ کر دیا آپ کا دین آخری دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے انتخاب کر لیا ہے۔ قرآن پاک نے اِس عقیدے کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ یعنی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ یعنی اے نبیؐ آج کے دن ہم نے تم پر دین کی تکمیل کر دی اور اپنی نعمت پوری طرح سے تمہیں عطا کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرما لیا۔

آنحضورؐ نے بھی اپنی اُمت کو ڈرایا تھا کہ تم دوسری امتوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے انبیاءؑ کے چلے جانے کے بعد اُن کی پیروی اور اطاعت چھوڑ دی تھی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ تم پوری قوت سے میری سنت پر عمل کرتے رہنا۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ نے بعض پیشین گویاں بھی کی ہیں۔ جس سے اُمت کو ڈرایا ہے فرمایا کہ میری اُمت میرے بعد فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جیسے کہ یہود و نصاریٰ فرقوں میں بٹ گئے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تاہم ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور کتاب و سنت کی دعوت پیش کرتی رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امت میں بگاڑ پیدا ہونے کے باوجود بھی ایک گروہ سنتِ رسولؐ پر قائم رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گروہ ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں موجود رہا اور قیامت تک رہے گا اور چراغِ نبوتؐ کو کبھی بجھنے نہیں دے گا۔ دنیا کے بگڑنے کے بعد بھی یہ لوگ کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں لگے رہیں گے۔ اور حق کی تبلیغ کے لئے کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ تاہم ہمیں غور د

فکر کرنا ہے کہ آخر کن اسباب کی بنا پر یہاں دین کمزور ہوا۔ اور کس طرح سے توحید
کو پاش پاش کیا گیا۔ اور کس طرح کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈالا گیا۔ اور کیوں کر
یہ مقدس سرزمین شرک و بدعات کا مرکز بن گئی۔

یہ ٹھیک ہے کہ جزیرہ عرب نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھا تھا۔ مگر اکثریت چونکہ
اُمیوں اور اَن پڑھوں کی تھی اور ابھی تک بدویت بھی اُن پر غالب تھی پوری طرح
تہذیب تمدن ابھی اُن میں نہیں آیا تھا۔ تعلیم اور صحت کا خاطر خواہ انتظام نہ
تھا وسائل بہت کم اور محدود تھے۔ البتہ شہروں میں اسلامی تہذیب پرورش
پا رہی تھی اور تعلیم کا خاطر خواہ انتظام بھی تھا۔ مگر اعرابی اور بدوی جو خیمہ زن اور
خانہ بدوش ہو کر پانی کی تلاش میں سرگردان تھے۔ جہاں بارش برسی اُسی وادی
میں اپنے اونٹ بھیڑ بکریاں ہانک کرلے گئے۔ اور وہیں خیمہ زن ہوئے۔ اِس
لئے تعلیم اور تہذیب و تمدن سے وہ دُور تھے اور اُن کے سامنے مشکلات
بھی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ایک جگہ جمع ہوتے تھے تو مرد و زن کا
اختلاط بھی ہوتا تھا اور وہ بیماریوں سے بھی دوچار ہوتے تھے علاج کے لئے
اُنہیں قدیم طریقہ پر ہی عمل کرنا پڑتا تھا۔ وہ بعض درویشوں کے پاس جاتے تھے
جو انہیں دم جھاڑ کرتے تھے اور کبھی کوئی دوائی بھی دیتے تھے۔ اور کبھی انہیں
یہ بھی کہتے تھے کہ فلاں بزرگ کے نام پر اگر ذبح کرو تو بیماری دور ہو جائے گی۔
بعض اوقات مریض اچھا بھی ہو جاتا تھا وہ اِس پر خوش ہو جاتے تھے اور رفتہ
رفتہ یہ چیز اُن کے عقیدہ میں داخل ہو گئی۔ حالانکہ بیماریوں کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ
کے سوا اور کوئی نہیں۔ رفتہ رفتہ یہ عقیدہ اُن کے دلوں میں ایسا پیوست ہوا کہ
وہ شافیِ اکبر کو بھول گئے اور اپنے مصائب اور بیماریوں کا حل اِس قسم کی
خرافات میں تلاش کرنے لگے۔ شیطان اُن کے پیچھے ایسا لگا کہ وہ پوری طرح

شرک وبدعات میں مبتلا ہوگئے۔ پھر اُن کو ان چیزوں سے منع کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا علم اور علماء کا فقدان واعظین اور مرشدین کی قلت نے اُن پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اصل دین کو چھوڑ کر خرافات کو ہی اپنا دین سمجھنے لگے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب ترکوں کا بلادِ عربیہ میں غلبہ ہُوا تو انہوں نے بہت تساہل برتا۔ خاص کر حجاز و نجد کی حکومت جب ان کے قبضہ میں آئی تو علمی نشاط پر بہت بڑا اثر پڑا اکثر مدارس بند کر دئے گئے۔ جہالت پھیلنے لگی۔ خرافات نے قیادت سنبھال لی اور افکار پر جمود طاری ہوگیا۔ ثقافت کی کمر ٹوٹ گئی۔ زرعی ترقی اور صنعت کا فقدان ٹیکسوں اور محصولات کی بھرمار نے لوگوں کو بے دل کر دیا۔ ترک حکومت سوائے مال کی لوٹ گھسوٹ کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ وہ ملک کے برباد کرنے میں لگے ہوئے تھے اور تعمیر کا فقدان تھا۔ ان حالات میں آخر دینِ اسلام کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ پرانی جہالت پھر عود کر آئی۔ اُن کو اسلام سے تو کوئی سروکار ہی نہ تھا وہ تو انسانوں کو غلام بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگوں کے دلوں سے خوفِ خدا جاتا رہا بُرائی پھیلنے لگی۔ چوری ڈاکہ قتل وغارت کا عام رواج ہوگیا اور حکومت اس کا کوئی تدارک نہیں کر رہی تھی۔ حدودِ الٰہیہ ختم کر دی گئی تھیں۔ بہرحال جوں جوں زمانہ نورِ نبوّت سے دور ہورہا تھا وہ دین سے اتنا ہی دور ہورہے تھے۔ علماء کی قلت چار صدیاں یوں ہی گذر گئیں علماء کی جگہ اصحابِ طرق نے سنبھال لی۔ اولیاء اور صالحین کی تقدیس دلوں میں ایسے طریقہ سے بٹھائی گئی کہ اُن کی پوجا ہونے لگی۔ یہاں تک کہ درختوں اور پتھروں کا احترام ہونے لگا۔

بارہویں صدی ہجری کے داخل ہوتے ہی حالت یہ تھی کہ مسلمان صرف نام کے مسلمان تھے اور حقیقتِ اسلام سے بالکل بے خبر ہو چکے تھے اسلام کے ارکان تک

بھول گئے۔ اگر لا الٰہ الا اللہ کا معنی پوچھا جاتا تو کوئی صحیح جواب دینے والا نہ تھا اسلام اُن کی نگاہ میں وراثت بن کر رہ گیا تھا۔ آباء اجداد سے سنتے آتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ اسلام سے اُن کو دور کا رشتہ بھی نہیں تھا۔ نماز و زکوٰۃ کو چھوڑ چکے تھے الا ماشاءاللہ اسلامی حدود اور نظام کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ یہ وہی سرزمین ہے جہاں شرعی حدود کا دور دورہ تھا اور امن کی ایک دنیا تھی۔ رشتۂ اسلام ہاتھوں سے چھوٹا تو امن بھی برقرار نہ رہا۔ نہ عزت محفوظ رہی نہ مال محفوظ رہا اور نہ ہی جان محفوظ رہی۔ پھر وہی جاہلیت کا زمانہ قتل و غارت اور لوٹ گھسوٹ اُن کی زندگی کا محور بن گیا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر یہ مقدس سرزمین پھر خرافات کا مرکز بن گئی۔

شیخ کی پیدائش اور تعلیم و تربیت

شیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی التمیمی سنہ ۱۱۱۵ ہجری مطابق سنہ ۱۷۰۳ء میں شہر عینیہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد عبدالوہاب بن سلیمان عینیہ کے قاضی تھے اور بہت بڑے علماء میں سے شمار ہوتے تھے۔ آپ کے جد امجد سلیمان بن علی نجد میں سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے بلکہ علم اُن پر ختم تھا اور فتویٰ میں وہ مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔ آپ کے چچا ابراہیم بن سلیمان بہت بڑے عالم تھے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بڑے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب حریملا کے قاضی تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ ان حالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ کا خاندان ایک بہت بڑا علمی خاندان تھا۔ علم قضاء اور فتویٰ کی زمام انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ علم و عرفان کے مرکز میں شیخ نے جنم لیا اور منبع نور میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ ظاہر ہے کسی انسان کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لئے دو چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

بہترین خاندان اور بہترین ماحول۔ یہ دو نو چیزیں اللہ تعالیٰ نے شیخ کو روزِ اول سے بدرجہ اتم فراہم کر دی تھیں۔ بہترین خاندان، پاکیزہ ماحول علم و عرفان کی مجالس اور اصلاح و تقوی کی وراثت انہیں ہاتھ آئی تھی۔

ان محاسن کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن عبد الوہاب کو ایسی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں جو کہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ کمال درجے کا حافظہ، حسنِ فہم اور ادراک کی قوتیں پوری طرح بیدار تھیں۔ بچپن سے ہی پڑھنا شروع کر دیا تھا اس کے ساتھ ہی ساتھ قرآن پاک کے حفظ میں مشغول ہو گئے دس سال کی عمر سے پہلے ہی قرآن پاک کو حفظ کر لیا۔ پھر دوسرے علوم میں مشغول ہوئے اپنے والد ماجد سے ہی فقہ حنبلی پڑھنے لگے ساتھ ہی ساتھ علوم عربیہ اور تفسیر کا مطالعہ کرنے لگے۔ حالت یہ تھی کہ ابتداء ہی میں پڑھائی اور مطالعہ میں پوری طرح منہمک رہنے لگے اور کھیل کود سے بہت دور تھے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے اندر ابتدأ سے ہی بعض ایسی خصوصیات تھیں جو کہ عام طور پر اس عمر میں نہیں ہوتیں۔ آپ بہت ہی ذہین اور عقلمند تھے جسمانی حالت قابل تعجب تھی بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ کی پوری مثال تھے۔ بہت روشن دماغ تھے۔ بارہ سال سے پہلے ہی بلوغت کو پہنچ گئے۔ ان کے والد ماجد کا بیان ہے کہ میں نے ان کو اس عمر میں نماز کی امامت کے قابل پایا اور اسی سال اُن کی شادی کر دی۔ مگر شیخ محمد بن عبد الوہاب حصولِ تعلیم میں اتنے مشغول تھے کہ شادی ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔

حرمین کا پہلا سفر

شیخ محمد بن عبد الوہاب جبکہ اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے

اور ابھی عنفوانِ شباب کو ہی پہنچ رہے تھے کہ دل میں حرمین کی زیارت کا جذبہ دامنگیر ہوُا۔ اس لئے آپ نے فریضۂ حج ادا کرنے کی غرض سے حجاز مقدس کا قصد کیا۔ یہ آپ کا پہلا سفر ہے حج کی ادائیگی کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں بیس روز تک قیام کیا۔ اس کے بعد اپنے وطنِ مالوف واپس لوٹ آئے۔ اس سفر میں شیخ کی معلومات میں بہت حد تک اضافہ ہوُا۔ موسمِ حج میں تمام اقطارِ عالم سے ہر جنس کے لوگ جمع تھے اور مختلف قسم کے عقائد و اعمال اپنے ساتھ لائے ہوُئے تھے۔ اس ماحول میں شیخ نے وہ کچھ دیکھا اور سُنا جو کہ اس سے پہلے نہ تو کبھی سنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا۔ اسلامی دنیا کے مختلف قسم کے حالات سے آگاہ ہوُئے اور ایک بہت بڑا تاثر لے کر واپس لوٹے۔

عینیہ میں آتے ہی پھر علمی پیاس بجھانے لگے اور تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے اپنی ساری قوتیں انہی جواہر ریزوں کے جمع کرنے میں صرف کر دیں۔ تفسیر، احادیث عقائید اور جملہ علوم جو کہ اسلام سے متعلق ہیں کے حصول میں خاص توجہ دی۔ عبادت اور اخلاص کا معنی اور مفہوم سمجھنے میں بہت گہرا مطالعہ کیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح اور اُن کے شاگردِ رشید ابن القیمؒ کی کتابوں کا خوب مطالعہ کرنے لگے۔ اپنے دل کی پیاس اُن کی کتابوں سے بجھائی اور اپنے مقصود اور گوہر مفقود کو وہاں پایا گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ آپ نے ان دونو حضرات کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہوُئے اپنے آپ کو ایسی حالت میں پایا گویا کہ وہ انہیں سے ہی فارغ التحصیل ہوُئے ہیں۔ باوجودیکہ آپ کے اور ان کے زمانہ میں کافی بعد ہے۔ ان دونو بزرگوں کی تعلیم و توجیہات اور آراء کا ان پر بہت بڑا اثر تھا اور ان کی زندگی اور پوری دعوت انہی کے رنگ میں رنگی ہوتی تھی۔

حج سے واپسی اور علمی مشغلہ دوبارہ سفر حجاز

طلبِ علم کا شوق اور جذبہ موجزن تھا۔ پھر دوبارہ حجاز کے لئے رختِ سفر باندھا اور حصولِ علم کے لئے جادہ پیما ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں تقریبًا دو ماہ قیام کیا وہاں کے علماء سے استفادہ حاصل کیا اور بہت کچھ علمی معلومات حاصل کیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ آگئے وہاں کچھ لمبا عرصہ گذارا۔ مدینہ کے دورانِ قیام میں آپ نے دو بڑے افاضل علماء میں سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اُن میں سے ایک الشیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف جو کہ المجمع کے رؤساء میں سے تھے اور بہت بڑے عالم تھے اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے یاد رہے المجمع نجد کے شہروں میں سے ایک بہت مشہور شہر ہے۔ دوسرے الشیخ محمد حیات سندھی ہیں جو کہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے اور علم حدیث کے بہت بڑے عالم اور ماہر تھے۔ ایک دن جبکہ شیخ محمد اپنے استاد شیخ عبداللہ بن ابراہیم کے پاس تھے تو آپ کے استاد نے فرمایا کہ آؤ میں آپ کو وہ ہتھیار دکھاؤں جو کہ میں نے اہلِ مجمع کے لئے تیار کئے ہیں۔ پھر وہ مجھے اپنے گھر میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں بے شمار کتابوں کا مخزن ہے جو کہ آپ نے جمع کر رکھا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ یہی وہ ہتھیار ہیں جو کہ میں نے تیار کئے ہیں پھر مجھے آپ شیخ محمد حیات سندھی کی خدمت میں لے گئے۔ اور میرا اُن سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب اُن کے پاس ٹھہرے اور اُن کی شمع علم سے مستنیر ہوئے۔

اس دوران میں شیخ نے حرمین میں بہت کچھ خرافات کا مشاہدہ کیا۔ جس کو وہ پہلے سفر میں بھی دیکھ چکے تھے۔ عوام کو بدعات اور خرافات میں مبتلا پایا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے سامنے جو کچھ ہوتا تھا وہ سراسر حضورؐ

کی تعلیم کے خلاف تھا۔ بلکہ حضورؐ کی آخری وصیت بھی اسی پر مشتمل تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا اور اللہ تعالیٰ سے بھی دعائیں مانگی کہ یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں۔ آپ نے یہود و نصاریٰ پر اسی لئے لعنت بھیجی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں اور سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ شیخ ان تمام چیزوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس پر انکار بھی کرتے تھے۔ آپ کے استاد شیخ محمدؒ حیات نے بھی اُن کا اس معاملہ میں ساتھ دیا۔ ایک دن جبکہ شیخ محمدؒ آنحضورؐ کے حجرۂ مبارک کے سامنے کھڑے تھے اور لوگوں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح حضورؐ کو پکار رہے ہیں اور آپ سے کس طرح فریاد کر رہے ہیں۔ شیخ محمدؒ حیات صاحب نے انہیں دیکھا اور اُن کے پاس آ گئے۔ اور فرمایا آپ کا ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی اِنَّ ھٰؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْہِ وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔" یعنی یہ وہ لوگ ہیں۔ جو کہ اڑے ہوئے ہیں اُس چیز پر کہ جس پر وہ ہیں اور باطل ہے جو کچھ کہ یہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد شیخ پھر اپنے وطن نجد میں لوٹ آئے۔

بصرہ کا سفر اور شیخ محمدؒ المجموعی کی شاگردی

علمی پیاس ابھی بجھی نہیں تھی ابھی تشنگی باقی تھی اس لئے شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب نے بصرہ کا سفر اختیار کیا۔ خیال تھا کہ بغداد اور شام کا دورہ بھی ساتھ ہی ساتھ ہو جائے گا اور وہاں کے مدارس اور علمائے سے استفادہ کیا جائے گا۔ مگر جب بصرہ پہنچے تو وہاں اقامت اختیار کر لی اور شیخ محمدؒ المجموعی کی شاگردی اختیار کر لی وہاں فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں خاص طور پر توجہ دی۔ المجموعۃ بصرہ کے دیہاتوں میں سے ایک مشہور دیہات تھا جہاں شیخ المجموعی کا ایک مدرسہ تھا۔

مختلف مقامات سے طلاب وہاں آکر داخل ہوتے تھے اور علم وعرفان کی منزلیں طے کر کے وہاں سے فارغ ہوتے تھے۔ شیخ محمدؒ کچھ مدت تک اس مدرسہ میں رہے اور شیخ المجموعی کے علم وعرفان سے کافی حد تک استفادہ کیا۔

بصرہ میں شیخ عملی میدان میں

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بصرہ میں شیعہ کا زور تھا اس لئے بدعات وخرافات عام تھیں لوگ مختلف قسم کی شرکیات میں مبتلا تھے۔ شیخ نے تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ دعوت کا کام بھی شروع کر دیا۔ قبوں اور مزارات پر جو کچھ ہوتا تھا اُس کی تردید کرنے لگے، منکرات کے خلاف اعلان کیا۔ شیخ محمد المجموعی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کو بنظرِ استحسان دیکھا اور بہت پسند فرمایا۔ مگر حالت یہ تھی کہ اُس دَور کے علماءٔ اور صوفیہ آپ کے پیچھے پڑ گئے۔ آپ کو بہت بڑی تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ لوگ آپ کو بہت بری طرح سے اذیت پہنچانے لگے۔ آپ کا مال سامان اور کتابیں سب کچھ لوٹ گھسوٹ کر لے گئے۔ آپ کا بیان ہے کہ بعض خرافی لوگ میرے پاس مختلف قسم کے شبہات لے کر آتے تھے میں اُنہیں پوری طرح سے جواب دیتا تھا۔ وہ میرے پاس کھڑے ہو جاتے تھے میں علی الاعلان یہ کہتا تھا کہ عبادت کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں وہ حیران اور ششدر ہو کر میرا منہ تکتے رہتے اور اُن سے کوئی جواب نہ بن آتا تھا۔

شیخ کی دعوت کی وجہ سے شیخ المجموعی کے لڑکے بہت متاثر ہوئے المجموعۃ کے لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ محمدؒ المجموعی کے لڑکوں سے بڑھ کر ہم نے پورے المجموعۃ میں صلاح وتقویٰ اور توحید کی معرفت میں کسی کو نہ پایا۔

بصرہ میں شیخ کی مخالفت اور خروج

بہر حال بصرۃ کے امراء اور رؤسائ شیخ کی مخالفت پر اس قدر آمادہ ہو گئے کہ انہوں نے عین دوپہر کے وقت شیخ کو المجموعۃ سے باہر نکال دیا اس کے ساتھ ہی ساتھ شیخ کے اُستاد کو بھی بعض مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جب شیخ بصرہ سے باہر نکلے تو پیدل چل رہے تھے بصرہ اور زبیر کے درمیان پہنچے تو شدت کی گرمی اور پیاس نے مجبور کر دیا یہاں تک کہ بالکل مرنے کے قریب ہو گئے۔ بصرہ سے ایک شخص ابو حمیدان گدھے پر سوار وہاں پر سے گذرا شیخ کو اس حالت میں دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ آپ کی ہیبت و جلال اور علمی وقار نے اور بھی اس پر اثر ڈالا اس نے شیخ کو پانی پلایا اور گدھے پر سوار کر کے زبیر میں جا اُتارا یہ شخص بصرہ سے زبیر تک گدھا کرائے پر چلاتا تھا مگر شیخ کے علم و فضل کی وجہ سے اُس نے یہ خدمت بلا معاوضہ سر انجام دی۔

شام کے سفر کا خیال

زبیر پہنچ کر شیخ کا ارادہ ہوا کہ شام کا سفر اختیار کریں مگر زادِ راہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے شام کا ارادہ ترک کر دیا اور احسا کا سفر اختیار کیا احسا نجد کے منطقہ شرقیہ میں ایک مشہور شہر ہے۔

احساء اور حرملا میں قیام

احساء پہنچ کر آپ ایک مشہور عالم عبداللہ بن محمد بن عبداللطیف الشافعی الاحسائی کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ چند دن کے بعد آپ نے وہاں سے حرملا

کا سفر اختیار کیا۔ یہ اس لئے کہ آپ کے والد ماجد آپ کے بصرہ چلے جانے کے بعد عیینہ سے حریملا منتقل ہو چکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب عینیہ کے امیر عبداللہ ابن معمر کی ایک مشہور وبا میں وفات ہو گئی تو اُس کے بعد اُس کا پوتا محمد بن محمد خرفاش عیینہ کا امیر بنا۔ اُس میں اور شیخ عبدالوہاب یعنی شیخ محمد کے والد میں کسی بات پر تنازعہ ہو گیا جس کی بنا پر اُسے امیر عیینہ نے منصبِ قضاء سے معزول کر دیا۔ وہاں سے آپ منتقل ہو کر حریملا چلے آئے۔ اس لئے شیخ محمد اپنے والد کے پاس حریملا پہنچے۔

شیخ کی دعوت کا مرکز اور عملی سرگرمیاں

وہاں پہنچتے ہی آپ نے دوبارہ اپنے والد ماجد سے علم حاصل کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام بھی شروع کر دیا۔ جہاں کو شرک و بدعات سے روکنے لگے۔ اِس کا اثر یہ ہُوا کہ چاروں طرف سے مخالفت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ باپ اور بیٹے میں بھی کچھ تکرار ہوئی اہلِ بلاد اس سیدھی اور ٹھوس دعوت پر برافروختہ ہوئے۔

والد کا انتقال اور نیا دور

اِسی حالت میں شیخ نے دو سال گذار دئے یہاں تک کہ آپ کے والد شیخ عبدالوہاب کا ۱۱۵۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے کھل کر دعوت کا کام شروع کر دیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کمر بستہ ہو گئے۔ بہت سے اہلِ بلد آپ کے ساتھ شامل ہو گئے اور آپ کے ساتھ پورا تعاون کرنے لگے جس سے چاروں طرف شیخ کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔

حریملا کے رؤسا اور بڑے لوگ دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حقیقت میں دونو ایک ہی قبیلہ کی دو شاخیں تھیں۔ ہر ایک اُن میں سے اپنی سرداری کا اعلان کرتا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ کسی قبیلے کو بھی دوسروں پر کوئی فوقیت نہیں تھی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے حکم کے تابع تھا۔ پورے شہر کا بھی ایک رئیس نہیں تھا جو کہ سب پر حکم چلاتا ہو۔

مخالفت و شیخ کے قتل کی تدابیر

اسی شہر میں ایک قبیلہ کے کچھ غلام تھے جن کو حمیان کہا جاتا تھا۔ یہ بہت ہی فسق و فجور اور زیادتیوں میں مبتلا تھے۔ شیخ نے ارادہ کیا کہ اُن کو اُن کے فسق و فجور سے منع کرے اور روکے۔ اور انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے راہ حق پر لائے۔ مگر وہ اسی بات پر شیخ کے سخت ترین دشمن بن گئے۔ ایک رات انہوں نے شیخ کے قتل کا مشورہ کیا۔ رات کی تنہائی میں جب وہ مکان کی دیوار پھلانگ کر شیخ کے مکان میں داخل ہوئے تو لوگوں کو پتہ چل گیا۔ پس لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا وہ شور سُن کر بھاگ نکلے۔ اور اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

شیخ نے حریملا کو اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔ لوگوں کو بڑی حکمت اور خوبی سے دعوت پیش کرنے لگے۔ اخلاص لوجہ اللہ دلائل اور براھین جو کہ قرآن و سنت سے مأخوذ تھے لوگوں کے سامنے پیش کئے۔ اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے فارغ کر لیا۔ اور اسی دوران میں تالیف کی طرف بھی مائل ہوئے۔ چنانچہ اسی دوران میں کتاب التوحید کو لکھا جو کہ فن توحید میں ایک مائہ ناز کتاب ہے جو کہ سعودی عرب کے تمام مدارس میں داخل نصاب ہے۔ گھروں میں مسجدوں میں ہر جگہ اس کا چرچا اور درس ہوتا ہے میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اس کتاب نے سعودی عرب کی

کایا پلٹ دی ہے۔ اور اُن کے اعتقاد کی پوری طرح سے تطہیر کی ہے۔

دعوت کا دَور

اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمی پیدا کئے جنہوں نے شیخ کی دعوت کو بڑی حسن و خوبی سے قبول کیا۔ شیخ کی مجالس میں یہ لوگ تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لینے لگے اور آپ کے طریقہ کا اتباع کرنے لگے۔ شیخ کے اقوال وافعال کو انہوں نے اپنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حریملا کی سرزمین کتاب وسنت کی عملی تصویر نظر آنے لگی۔ تبلیغ کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ حریملا کے گردونواح کی بستیاں نجد اور اُس کے گردونواح کے دیہات عیینہ درعیہ ریاض اور منفوحہ کے اندر شیخ کی دعوت پھیل رہی تھی۔ اور لوگ جوق درجوق شیخ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے۔ تاہم اکثریت اُن لوگوں کی تھی۔ جو شیخ کے جانی دشمن تھے اور اس تحریک کے سخت مخالف اور دشمن تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شیخ کے معاونین اور معارفین کی عوام سے ایک بہت بڑی عداوت پیدا ہو چکی تھی اور وہ آپس میں جنگ وجدال میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ کہ یہی جدال اس بات کا سبب بنا کہ شیخ کی دعوت بڑی سرعت سے ان علاقوں میں پھیل رہی تھی۔

حریملا سے ہجرت

شیخ کو جب یہ یقین ہو گیا کہ حریملا میں دشمنی کی آگ اتنی بھڑک اٹھی ہے کہ اب یہاں رہنا مشکل ہے اور یہاں کے عبید اور اوباش اُن کے قتل کے درپے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ کہ وہ لوگ رات کے وقت قتل کے لئے شیخ کے گھر گھس گئے تھے۔ بعض بدؤں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی چور ہے جو دیوار کو پھلانگ کر اندر جانا چاہتا ہے،

شور مچایا تو وہ بھاگ نکلے اس طرح اللہ تعالیٰ نے شیخ کو اپنی رحمت سے بچالیا، شیخ نے عیینہ کی بستی میں منتقل ہونے کا ارادہ کر لیا کیوں کہ آپ کا آبائی وطن بھی یہی تھا اور یہاں ہی آپ کی پیدائش بھی ہوئی تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ بھی تھا کہ عیینہ کا امیر عثمان بن معمر شیخ کی دعوت کی طرف پوری طرح مائل ہو چکا تھا۔ اور یہ وجہ بھی تھی کہ مکان کے اعتبار سے یہ حریملا سے بڑا شہر تھا۔

امیر عثمان پر دعوت کا اثر

شیخ حریملا چھوڑ کر جب عیینہ میں داخل ہوا تو امیر عیینہ عثمان بن معمر نے اُن کا بہت زیادہ اکرام کیا اور آپ کے ساتھ پورا تعاون اور مدد کا وعدہ دیا اس صلہ اور رابطہ کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے امیر عثمان بن معمر نے اپنے بھائی کی بیٹی جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے ان کی شادی کر دی۔ شیخ نے پورے زور سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ عیینہ میں شیخ کی دعوت قبول کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد مل گئی۔ دعوت و تبلیغ کے لئے بہترین جگہ انتخاب ہو چکی تھی دعوت عیینہ سے باہر پھیلنے لگی طالبانِ حق چاروں طرف سے آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اُن کی وجہ سے گرد و نواح کے دیہات اور بستیوں میں دعوت پھیلنے لگی۔ اللہ کا فضل و کرم ایسا ہُوا کہ اب مخالفت کرنے والوں کا منہ توڑ جواب دیا جانے لگا۔

عملی دور اور دعوت کا مرکز

جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ان دنوں تمام عرب قبروں اور قبوں کی عبادت میں غرق ہو چکے تھے۔ یہاں تک ہی نہیں بلکہ اُن درختوں کی پوجا بھی ہونے لگی جو قبوں اور قبروں کے زیر سایہ لگائے گئے تھے۔ ابھی تک تو وعظ و ارشاد تک ہی

دائرہ محدود تھا اب عملی دور کا وقت آیا۔ شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو بلا کر کہا کہ اب عمل کا وقت آیا ہے۔ آپ اللہ کے دین کے لئے اٹھیں اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہیں پورے نجد اور عرب کی حکومت عطا فرمائے گا۔

دعوت و تبلیغ کے بعد عملی قدم

امیر عثمان نے شیخ سے مدد کا وعدہ کیا اور عملی قدم اٹھانے کا عہد کیا۔ شیخ نے کہا سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ تمام وہ درخت یا قبریں اور قبے جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے ختم کر دیا جائے۔ اور حدود اللہ کو نافذ کیا جائے۔

عیینہ کے اکثر و بیشتر لوگ شیخ کی اس تحریک میں شامل ہوئے۔ شیخ نے بعض لوگوں کو اپنی جیب سے کچھ پیسے دے کر روانہ کیا کہ اُن درختوں کو کاٹ دیا جائے جن کی لوگ پوجا کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑا مشہور درخت جس کو الذیب کا درخت کہا جاتا تھا شیخ خود اُس کو کاٹنے کے لئے گئے۔ وہاں پہنچے تو ایک چرواہے کو دیکھا۔ جو کہ اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اُس چرواہے نے شیخ کو درخت کاٹنے سے منع کیا۔ شیخ نے اس خیال سے کہ یہ لوگوں کو جا کر بتائے گا جھگڑا اور فساد ہوگا اپنا قیمتی کپڑا جو کہ اپنے اوپر ڈالے ہوئے تھے اُس کے سپرد کر دیا وہ لے کر چلا گیا۔ شیخ نے درخت کو کاٹ دیا۔ جب درخت زمین پر کٹ کر گر رہا تھا تو اُس سے ایک خوفناک آواز نکلی جو ساری وادی میں پھیل گئی اور سدیر کے پہاڑ اُس سے گونج اٹھے۔ شیخ کے ساتھ ستر آدمیوں کی ایک جماعت تھی جس میں امیر عثمان بن معمر بھی تھے۔ انہوں نے چند ہی دنوں میں تمام درختوں قبوں اور قبروں کا صفایا کر دیا جن کو لوگوں نے شرک کا اڈہ بنایا ہوا تھا۔ کتنے صحابہ کی قبریں تھیں جن کے قبے گرا کر انہیں حضور کے فرمان کے مطابق ایک بالشت اونچی اور سنم کر کے چھوڑا۔

حضرت زید بن خطاب کا قبہ گرانا

اس کے بعد شیخ نے ارادہ کیا۔ حضرت زید بن الخطابؓ کی قبر کو گرائیں جو کہ جبیلہ میں تھی امیر عثمان بن معمر سے فرمایا کہ ہمیں اس قبہ کے گرانے کی اجازت دو۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو پوری اجازت ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اہل جبیلہ کا ڈر ہے کہ وہ ہم پر ٹوٹ نہ پڑیں۔ اس لئے میں اکیلا اس کو نہیں گرا سکتا۔ جب تک کہ آپ ہمارے ساتھ نہ ہوں۔ امیر عثمان نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں چنانچہ وہ چھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے۔ جب اس کے قریب پہنچے تو اہل جبیلہ اُن کو روکنے کے لئے آئے۔ جب امیر عثمان نے اُن کو دیکھا کہ وہ روکنا چاہتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ جبیلہ والوں نے جب دیکھا کہ یہاں تو لڑائی کی نوبت آگئی ہے۔ تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

جب توڑنے کا وقت آیا تو امیر عثمان نے توڑنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ خود توڑیں۔ چنانچہ شیخ نے کدال لے کر اپنے ہاتھ سے اُس کو پیوست کر دیا جب واپس لوٹے تو لوگ اور اکثر بدو یہ خیال کرتے تھے کہ شیخ پر کوئی مصیبت آئے گی جب رات گذر گئی اور شیخ بالکل خیریت سے اپنے کاموں میں مشغول تھے تو اُن کا یہ باطل عقیدہ بھی ساتھ ہی منہدم ہو گیا۔

اسلامی حدود کا قیام

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت میں یہ پہلا عظیم الشان حادثہ ہے جس سے لوگ بے حد مرعوب ہوئے۔ اس کے بعد دوسرا حادثہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ حادثہ درخت کاٹنے کا نہیں بلکہ یہ حادثہ ایک عورت کے کاٹنے اور

اس کے رجم کرنے کا ہے۔

عیینہ کی بستی میں تجدیدِ دین

شیخ کی دعوت نے دلوں پر ایک ایسا اثر کیا کہ لوگ قبولِ دین کو سعادت سمجھنے لگے اور خدا کے قانون میں اپنے دل کا سرور پانے لگے۔ کس کو معلوم نہیں کہ شریعت اسلامیہ نے زانیہ کے رجم کا حکم دیا ہے۔ انہی ایام میں شیخ کے پاس ایک عورت پیش ہوتی ہے جو کہ زنا کا اقرار کرتی ہے۔ اور اپنے غیر کنوارہ ہونے کا بھی اقرار کرتی ہے۔ اور اس اقرار کو بار بار دہراتی ہے۔ شیخ نے اُس سے پوچھا کہ تمہاری عقل ٹھیک ہے۔ ہوش و حواس قائم ہیں۔ کسی نے زبردستی تو نہیں کی۔ عورت نے اقرار کیا جس سے کہ رجم واجب ہو جاتا ہے۔ شیخ نے رجم کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور وہ عورت رجم کی گئی۔ رجم ہوتے ہی شہر میں ایک کہرام مچ گیا دور دور تک خبریں پہنچنے لگیں۔ چاروں طرف سے آواز آنے لگی یہ کیا ہو گیا ہے اور یہ کیا قانون ہے۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ سب سے پہلا پتھر امیر عثمان نے مارا اس کے بعد لوگوں نے پے در پے پتھر مارے یہاں تک کہ وہ عورت ہلاک ہو گئی۔

دعوت کے حامیوں اور مخالفین میں تصادم

خبر شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتی ہوئی احساء اور قطیف کے امیر تک بھی پہنچی اُسے بتایا گیا کہ عیینہ میں ایک عالم ہے جس کے ایسے ایسے خیالات ہیں اور یہ وہی اس فعل کا مرتکب ہوا ہے۔ اُس نے جس کا نام سلیمان تھا عثمان بن معمر کو جو کہ عیینہ کا امیر تھا۔ اور اُس کا عامل بھی تھا ایک خط لکھا اور کہا کہ اُس شخص کو جو تمہارے پاس ہے نصیحت کرو کہ وہ اپنے ان عقائد سے باز جائے۔ جو کہ مسلمانوں

کے اندر تفرقیں پیدا کرنے والے ہیں ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ شیخ اپنی دعوت میں اُسی طرح سرگرم ہے۔ اُس نے امیر عثمان کو خط لکھا کہ اِس شخص کو جو یہ کچھ عقائد رکھتا قتل کر ڈالو۔ اور اگر تم نے اُس کو قتل نہ کیا تو تمہارا اخراج جو کہ احساءؔ سے آتا ہے بند کر دیا جائے گا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ احساءؔ سے امیر عثمان کو بارہ سو اشرفی سونے کی ہر سال آتی تھی اور اس کے علاوہ غلّہ اور کپڑے بھی کافی مقدار میں آتے تھے۔

احساءؔ کے امیر کی دھمکی

جب امیر عثمان کو احساءؔ کے امیر کا خط موصول ہُوا۔ بڑی پریشانی ہوئی وہ اُس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ امیر احساءؔ کے خط نے اس کے دل پر خوف و رعب طاری کر دیا۔ توحید کی قدر کو نہ پہچانا دنیا کو جنت پر ترجیح دی۔ خط لے کر شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پاس پہنچا اور کہا کہ ہمیں اُس کی مخالفت کی طاقت نہیں شیخ نے بہت سمجھایا کہ اگر تم حق کی حمایت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کرے گا اور تم تمام ملک کے سردار ہو گے اُس نے نہ مانا اور کہا کہ امیر احساء سلمان نے ہمیں آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ہم نہ ہی اُس کو ناراض کر سکتے ہیں اور نہ ہی اُس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس لڑائی کی طاقت نہیں۔ اور یہ بھی مروت اور اخلاق کے خلاف ہے۔ کہ ہم آپ کو اپنے ملک میں قتل کریں۔ آپ یہاں سے نکل جائیں ہمیں اور ہمارے ملک کو چھوڑ دیں شیخ کی عمر اس وقت بیالیس سال کی تھی جب کہ ہجرت پر مجبور کیا گیا۔

عیینہ سے خروج اور درعیہ کو ہجرت

بہرحال شیخ کو بغیر کسی تیاری کے نکلنے کا حکم دے دیا گیا امیر عثمان نے اپنے ایک شہسوار کو جس کا نام فرید تھا کہا کہ شیخ کے ساتھ چلے۔ اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور شیخ جدھر جانا چاہتا ہے اُسے لے چلے۔ شیخ نے کہا کہ میں درعیہ جانا چاہتا ہوں۔ امیر نے اپنے خادم سے کہا کہ جب تم میرے بھائی یعقوب کے پاس پہنچو تو اس کو قتل کر دینا۔ اور یہ یعقوب ایک بہت نیک انسان تھا جو کہ ظلم کے ساتھ درعیہ اور عیینہ کے درمیان میں قتل کر دیا گیا تھا اس لئے وہ انہی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ شیخ آگے آگے اور سوار پیچھے چل رہا تھا۔ شیخ کو کوئی چیز بھی اٹھانے کی اجازت نہ تھی صرف ایک پنکھا اُن کے ہاتھ میں تھا اور سخت گرمی کے موسم میں تپتی زمین پر چل رہا تھا۔ شیخ جب عیینہ سے نکلا درعیہ آنے تک ذکر الٰہی میں لگا ہوا تھا۔ اور بار بار یہ الفاظ دہرا رہے تھے۔ (وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ) ورد زبان تھا۔ ساتھ چلنے والا سوار آپ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ راستے میں اُس نے جب شیخ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہاتھ روک لیا اور اُس کا داؤ نہ چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل پر اتنا رعب اور ہیبت طاری کی کہ وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور عیینہ واپس لوٹ آیا۔

درعیہ میں داخلہ اور محمد بن سویلم کے پاس نزول

شیخ درعیہ کی جانب چلتا رہا یہاں تک کہ عصر کے وقت وہاں پہنچا۔ وہاں

پہنچ کر عبد اللہ بن سویلم العرینی کے گھر کا قصد کیا۔ کیوں کہ یہ شخص شیخ کی دعوت قبول کر چکا تھا اور آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھا۔ جب شیخ اُس کے گھر میں داخل ہُوا تو اُس پر گھر تنگ ہو گیا کیوں کہ وہ محمد بن سعود امیر درعیہ سے ڈرتا تھا کہ وہ کہیں انہیں قتل نہ کر دے۔ اس لئے کہ اُس نے شیخ کو اپنے گھر میں پناہ کیوں دی ہے شیخ نے اس کو وعظ کیا چنانچہ اُس کا خوف کچھ دور ہُوا۔ شیخ نے کہا گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ آسان کرے گا۔ چنانچہ درعیہ کے چیدہ چیدہ لوگوں نے جب شیخ کے متعلق سنا تو خفیہ طور پر زیارت کے لئے حاضر ہُوئے۔ شیخ نے انہیں توحید کی دعوت پیش کی وہ حق کی طرف مائل ہوئے اور شیخ سے اس کی دعوت میں متفق ہُوئے شیخ کے محبین اور طالبانِ حق کا سلسلہ کافی وسیع ہو گیا اور انہوں نے شیخ کی بہت تکریم اور قدر و منزلت کی اور پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک دن وہاں رہ کر دوسری رات اپنے شاگرد احمد بن سویلم کے گھر ڈیرہ لگایا۔ محمد بن سویلم کو کچھ علم نہیں تھا کہ شیخ کے ساتھ کیا کچھ گذرا جب شیخ صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور سورت البروج کی تلاوت شروع کی اور اس مقام پر پہنچے۔ (وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ) یعنی نہیں اُن کو سزا دی گئی تھی۔ مگر اس لئے کہ وہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لائے تھے۔ شیخ کی آواز سن کر معلوم کیا جاتا تھا کہ شیخ زار و قطار رو رہے ہیں اُن کو معلوم ہو گیا کہ شیخ وہاں سے نکالے گئے ہیں اور ستائے گئے ہیں۔ اُس نے شیخ سے کہا آپ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ کوئی راہ پیدا کرے گا یہ بات سن کر شیخ کو کچھ تسکین ہوئی اس کے بعد شیخ کے مرید اور ملاقاتی آنے شروع ہوئے اور شیخ انہیں دعوت پیش کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یہ ہیں وہ داعیانِ حق جن کی دعوت کسی وقت بھی بند نہیں ہو سکتی تلواروں کے سایہ میں بھی وہ خاموش نہیں ہو سکتے کاش آج کوئی ایک مخلص عالم یہ عزم لے کر اُٹھے اور اس بگڑی

ہوئی دنیا کو سنوارنے کے لئے جان کی بازی لگادے یا اللہ اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی قوت عطا فرمائے تاکہ تیرے دین اور تیرے محبوب پیغمبرؐ کی سنت کو اس دنیا میں زندہ کریں۔

امیر محمدؒ بن سعود کے رسائی

شیخ کے مریدوں اور عقیدت مندوں نے چاہا کہ امیر محمدؒ بن سعود کو شیخ کی آمد سے مطلع کریں مگر وہ ڈرتے تھے آخر انہوں نے امیر محمدؒ بن سعود کے دو بھائیوں سے بھی ملاقات کی جو کہ شیخ کی دعوت سے متاثر ہو چکے تھے جن کے نام ثنیان و مشاری تھے انہوں نے بھی اپنے بھائی سے شیخ کے متعلق کہا اور ان کی دعوت کی تعریف کی امیر محمد شیخ کی ملاقات کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد وہ محمد بن سعود کی بیوی موضی بنت ابی وھطان جو کہ آل کثیر میں سے تھی کے پاس آئے یہ بہت عقلمند اور دانا عورت تھی۔ انہوں نے اس کو شیخ اور اس کی دعوت کے متعلق بتایا اور شیخ کی قدر و منزلت کے متعلق بیان کیا۔ اس مبارک خاتون نے جب شیخ کی دعوت اور طریق کار کے متعلق سنا تو توحید کی معرفت اُس کے دل میں پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کی محبت اِس کے دل میں پیوست کردی اُس نے کہا فکر نہ کرو میں اِس کا انتظام کروں گی۔ اُن کے چلے جانے کے بعد جب اُس کا خاوند محمدؒ بن سعود گھر آیا تو اُس نے شیخ کے متعلق اپنے خاوند سے ذکر کیا اور بتایا کہ شیخ کی دعوت نے کس قدر انقلاب پیدا کیا ہے۔ اور کتنا مبارک انسان ہے جو کہ انبیاء کی دعوت لے کر اٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ وہ آپ کے شہر میں آگیا ہے۔ اس کو غنیمت شمار کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اِس نعمت کو آپ کے پاس لے آیا ہے۔ آپ کو اُس کی عزت و توقیر کرنی چاہیئے اور اُس کی دعوت میں

اُس کے ساتھ پورا تعاون اور نصرت کرنی چاہیئے۔ بیوی کی گفتگو نے محمد بن سعود پر جادو کا سا اثر کیا اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں بھی شیخ کی محبت ڈال دی۔ ارادہ کیا کہ کسی کو بھیج کر شیخ کو اپنے پاس بلایا جائے۔ مگر بیوی نے کہا بہتر یہ ہے کہ آپ خود اُن کے پاس چل کر جائیں۔ آپ کے اس عمل سے اور تعظیم و تکریم سے شاید لوگوں کے دلوں میں بھی اُس کی محبت بیٹھ جائے اور وہ بھی اُن کی تکریم و تعظیم کرنے لگیں۔

محمد بن سعود کی شیخ کے پاس آمد اور قبول حق کی دعوت

بیوی کے مشورہ پر محمد بن سعود خود شیخ کے پاس گیا اور جب ابن سویلم کے گھر میں داخل ہوا تو شیخ کو خوش آمدید کہا اور بشارت دی کہ آپ ایک بہترین شہر میں داخل ہوئے ہیں جہاں آپ کو اللہ کے فضل و کرم سے امن ملے گا۔ شیخ نے بھی امیر محمد بن سعود کو بشارت دی اور کہا کہ میں آپ کو جاہ دعوت کی بشارت دیتا ہوں جس نے بھی کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُس کی مدد کی اور اُسے ملکوں اور انسانوں کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ وہ کلمہ ہے جس کی دعوت اول سے لے کر آخر تک انبیاء اور رسول دیتے رہے۔ اور اسی راہ میں ہی اپنی جانیں ہلاک کر دیں۔

شیخ کی دعوت سے امیر محمد بن سعود کا متأثر ہونا

اس کے بعد شیخ نے ایک بہت فصیح و بلیغ وعظ ارشاد فرمایا جس میں بتایا کہ آنحضورؐ کس دعوت کو لے کر آئے تھے، کن چیزوں کا حکم دیا اور کن چیزوں سے روکا تھا۔ پھر آپ کے صحابہؓ نے کس طرح حضورؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگیاں گذاریں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ کام جو حضورؐ اور صحابہؓ کے بعد نکالا گیا سب گمراہی ہے۔ حضورؐ

اور آپ کے صحابہؓ کو جو دنیا میں عزت حاصل ہوئی وہ اسی دین کی قبولیت اور اُن کے جہاد فی سبیل اللہ کی بدولت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی غربت دور کر کے انہیں غنی بنا دیا۔ اور اُن کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ پھر شیخ نے نجد کی حالت امیر محمدؒ بن سعود کے سامنے رکھی اور کہا آج اہل نجد کس طرح شرک باللہ بدعات اور خرافات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور کس طرح ظلم ستم ڈھایا جا رہا ہے۔ ان رقت آمیز کلمات نے امیر محمد بن سعود کے دل پر ایک بہت گہرا اثر چھوڑا توحید اُس کے سینے میں جم گئی اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوا اور معلوم ہوا کہ دینی اور دنیاوی مصالح کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے

قبول دعوت اور شروط

امیر محمد بن سعود نے شیخ سے کہا کہ یہ دین جو آپ پیش کر رہے ہیں حق ہے یہی دین اللہ اور اُس کے رسولؐ کا پیش کردہ ہے۔ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کروں گا اور آپ کی دین کے معاملہ میں ہر طرح مدد کروں گا۔ آپ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھوں گا۔ اور جو لوگ توحید کے مخالف ہیں ان کے ساتھ جہاد کے لئے تیار رہوں گا۔ مگر آپ کے ساتھ دو شرطیں لگانا چاہتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جب ہم آپ کی مدد کے لئے تیار ہو گئے اور جہاد فی سبیل اللہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر فتوحات کے دروازے کھولے تو ہمیں خوف ہے کہ آپ ہم کو چھوڑ جائیں گے۔ اس لئے آپ وعدہ کریں کہ آپ ہم کو چھوڑیں گے نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میں درعیہ والوں سے ہر سال پھلوں میں سے حصہ لیتا ہوں اور یہ ہمارا قانون ہے ڈرتا ہوں کہ آپ ہمیں اس کے وصول کرنے سے منع فرما دیں گے۔

شیخ نے کہا پہلی شرط قبول ہے ہاتھ بڑھائیں خون خون کے ساتھ اور موت

موت کے ساتھ ہو گی یعنی کسی حال میں بھی میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ میری موت وحیات آپ لوگوں کے ساتھ ہو گی۔ باقی رہی دوسری شرط تو اللہ تعالیٰ آپ پر فتوحات کا دروازہ ایسا کھولے گا کہ آپ درعیہ والوں کے محتاج نہیں رہیں گے۔ جو مال غنیمت آپ کے ہاتھ لگے گا وہ درعیہ والوں کے مال سے کہیں بہتر ہو گا۔ شیخ کے فرمان کے مطابق ایسا ہی ہوا امیر محمد بن سعود جب توحید کی دعوت کے لئے اور مخالفین سے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھولے اور اُن کو غنی کر دیا۔ اُس وقت شیخ نے اُن سے کہا کہ یہ اُس سے بہت زیادہ ہے جو کچھ کہ تم اپنے شہر والوں سے وصول کرتے تھے۔

امیر محمد بن سعود کی شیخ کے ہاتھ پر بیعت

اس کے بعد کیا تھا امیر محمد بن سعود نے۔ شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی بیعت کے الفاظ یہ تھے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے دین اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اسلامی شریعت کے نفاذ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) پر بیعت کرتا ہوں۔ شیخ بیعت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر محمد بن سعود کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور انہیں کے پاس ٹھہرے۔

مخلصین کی ہجرت

درعیہ میں جب دعوت کا کام جڑیں پکڑ گیا اور حالات بالکل ساز گار ہو گئے تو آپ کے تمام شاگرد اور محبین جو کہ آپ سے تعلق رکھتے تھے عیینہ سے ہجرت کر کے درعیہ آنے لگے۔ امیر و غریب سب کھچے چلے آرہے تھے اور امیر عیینہ عثمان بن معمر کے سب مخالف ہو گئے تھے۔ دوسرے شہروں سے بھی لوگ ہجرت کر کے درعیہ

آنے لگے اور مخلصین کی ایک بہت بڑی جماعت درعیہ میں جمع ہو گئی۔

شیخ کی عیینہ میں واپسی کا مطالبہ

جب امیر عیینہ عثمان بن معمر کو معلوم ہوا کہ محمد بن سعود نے شیخ کو درعیہ میں پناہ دی ہے اور ہر طرح سے اس کا اکرام و اعزاز کیا ہے اور پوری مدد کا وعدہ بھی کیا ہے اور اہل درعیہ شیخ کی آمد سے بہت مسرور ہیں۔ اور بہت سے لوگ جو شیخ کی دعوت سے متفق تھے عیینہ چھوڑ کر درعیہ پہنچ چکے ہیں۔ اس کو بہت زیادہ ندامت محسوس ہوئی کہ اُس نے شیخ کو اپنے شہر سے کیوں نکالا اور کیوں نہ اُس کی مدد کی۔ ان تمام چیزوں نے اُس کے دل پر ایک ہیبت طاری کر دی۔ وہ اپنے شہر کے بعض رؤسا اور بڑے لوگوں کو ساتھ لے کر سوار ہو کر عیینہ سے درعیہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کی بہت دلجوئی کی اور واپس لوٹنے کا کہا اور ساتھ ہی ساتھ وعدہ کیا کہ ہم آپ کی پوری نصرت اور مدد کریں گے۔ شیخ نے صاف جواب دے دیا کہ اب یہ میرے اختیار میں نہیں۔ یہ سب کچھ اب امیر محمد بن سعود کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں۔ اور اگر ان کا ارادہ یہ ہوا کہ میں یہاں رہوں تو پھر میں یہاں سے کسی اور جگہ نہیں جاؤں گا۔ میں اس آدمی کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں جس نے مجھے نوازا اور میری دعوت کو قبول کیا۔ ہاں اگر وہ اجازت دیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ امیر عثمان امیر محمد بن سعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور شیخ کا مطالبہ کیا امیر محمد نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عیینہ واپس لوٹ آیا۔

مخلصین کی آزمائش اور صبر

دعوت سے متاثرین جوق در جوق درعیہ میں ہجرت کرنے لگے اور اسی کو اپنا

وطن بنا لیا۔ ان کی آمد پر حالات بڑے شدید تھے گذران مشکل سے ہونے لگی۔ تنگی اور فاقہ نے آگھیرا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ رات کو کچھ محنت مزدوری کرتے تھے اور دن کو شیخ کے درس میں بیٹھ کر کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرتے تھے مگر دشواریوں کے بعد ہی آسانیاں اور راحتیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضورؐ نے عبداللہ بن عباس سے فرمایا تھا کہ واعلم ان النصر مع الصبر وان الفرج مع الکرب وان مع العسر یسراً یعنی اے عبداللہ بن عباس جان لو۔ اللہ کی نصرت صبر کے ساتھ ہے اور آسانی مصیبت کے ساتھ ہے اور آسانی تنگی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ الشیخ عثمان بن بشر النجدی جو کہ تاریخ النجد کے مؤلف ہیں لکھتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد درعیہ کو سعودؒ کے زمانہ میں دیکھا کہ کتنا خوش حال شہر تھا مردوں اور عورتوں کی کثرت سونا چاندی بازاروں میں بھرا ہوا۔ سونے چاندی سے مزین ہتھیار۔ گھوڑے ہر قسم کے بہترین فاخرانہ لباس اس کے علاوہ وہ کچھ زیب و زینت کا سامان دیکھا کہ جس سے زبان قاصر ہے۔

مشاہدات

میں خود بھی اس شوق میں کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے کہاں دعوت کا مرکز بنایا تھا دیکھوں تو سہی ۱۳۷۷ھ ہجری میں جبکہ میں ریاض یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور میرا یہ آخری سال تھا آل شیخ کے ایک ہونہار فرزند کے ساتھ درعیہ کی مبارک سرزمین دیکھنے گیا وادی حنیفہ کے کنارے یہ بستی آباد ہے۔ پہلے یہ بستی شرقی کنارے کی جانب تھی اب غربی کنارے واقع ہے میلوں تک نخلستانوں کا ایک اور متناہی سلسلہ قائم ہے باغوں میں ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں چاروں طرف پانی کے چشمے ابل رہے ہیں سرسبز شاداب ملک دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ

ریاض سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ہوگا لوگ خوش اخلاق بلند پرواز سنت کے شیدائی کوئی عورت بغیر پردہ کے نظر نہ آئی اور کوئی مرد بغیر داڑھی کے نظر نہ آیا۔ شیخ کے مکانات جس میں کہ وہ رہائش پذیر تھے۔ وادی کے دوسری جانب کھنڈرات کی صورت میں پڑے ہیں آج بھی وہاں سے ایک سکون نظر آرہا ہے۔ وہاں ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی معلوم ہوتا تھا کہ تمام مرد و زن گھروں کو چھوڑ کر مسجد میں آگئے ہیں۔ جمعہ کے بعد بازار لگتا ہے عصر تک ختم ہو جاتا ہے۔ میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ شاید پرانے زمانہ کی صحابہ کی کوئی بستی ہے جس میں میں آگیا ہوں جہاں اسلام کے سوا کوئی دوسری چیز جو کہ خرافات سے تعلق رکھتی ہو نظر نہیں آتی تھی۔ یہ اُس مصلح کی دعوت کا اثر ہے کہ وہ شہر آج بھی اسلام کی مکمل تصویر ہے۔

طریق کار

۱۱۵۷ھ ہجری کا زمانہ تھا جبکہ امیر محمد بن سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ وہ خود بھی کلمۂ توحید پر قائم رہیں گے اور پورے عرب میں اس کی نشر و اشاعت کریں گے اور شیخ کی متابعت میں علمِ جہاد کو بلند کیا جائے گا۔

دعوت کے مراحل

شیخ نے روزِ اول سے ہی اپنی دعوت کو تین مرحلوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ اور اسی کے مطابق ہی وہ میدان کارزار میں سرگرم تھے۔ پہلا مرحلہ (۱) دعوت الی اللہ کا تھا۔ نرمی اور حسن و خوبی سے عوام میں اس کو پیش کرنا تھا (۲) دوسرا مرحلہ احکام شریعت کا نفاذ حدود الٰہیہ کا قیام۔ قبروں اور قبوں کو گرا کر آنحضورؐ کی سنت

کے مطابق اُن کو شکل دینا۔ اور اِن چیزوں کے لئے سب سے پہلے عیینہ اور درعیہ کو پاک رکھنا تھا۔ تاکہ لوگوں کی غلط عقیدتیں ٹوٹ کر خالص عقیدت اللہ سے جڑ جائے (۳) تیسرا مرحلہ جہاد کا تھا کہ اگر دعوتِ حق سے لوگ راہِ راست پر نہ آئیں تو پھر علم جہاد بلند کیا جائے۔ اور اس طرح لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے۔ اور اُس کی ابتدا مراسلات سے ہو جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تھا۔

دعوت کا میدان

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی درعیہ کے امیر محمد بن سعود نے سب سے پہلے کلمۂ حق کو قبول کر کے شیخ کے لئے راہیں ہموار کر دیں۔ شیخ کو اپنی دعوت پھیلانے کا ایک عظیم الشان مرکز مل گیا اور وہاں بڑی خوش اسلوبی سے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دی جانے لگی۔ عملی قوتوں پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ دو سال کے اندر ہی اندر درعیہ کی کایا پلٹ گئی۔ درعیہ علم کا ایک مرکز بن گیا۔ طلاب اور مہاجرین کے وفود آنے لگے۔ گویا کہ شیخ علم و عرفان کا ایک مرجع تھا۔ شیخ کی دعوت کے انداز تین حصوں میں منقسم تھے۔ درس و تدریس و تالیف و تصنیف اور مراسلات۔ آنے والوں کو قرآن و سنت اور توحید کا درس دیا جاتا تھا ہر وقت مجلس قرآن و سنت پڑھنے پڑھانے میں سرگرم رہتی تھی۔ جو زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے۔ وہ ابتدائی باتیں سمجھ کر شیخ سے متفق ہو جاتے۔ اُن کے سپرد کتابیں کر دی جاتی تھیں تاکہ وہ اپنی معلومات کو اور علم کو کتابوں کے ذریعہ سے بڑھائیں۔ بعض امرا اور ملوک جن تک شیخ نہیں پہنچ سکتے تھے مراسلات کے ذریعۂ دعوتِ حق پیش کی جاتی تھی۔ خطوط کیا ہوتے تھے ایک مستقل وعظ و ارشاد کا مرقع اور دل افروز خطبہ ہوتا تھا۔ درعیہ کی قسمت کا ستارہ چمکا یہ بستی یکسر بدل چکی تھی شرک و بدعات کا نام و

نشان مٹ چکا تھا۔ قبتوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ جن درختوں کی پوجا ہوتی تھی اُن کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکا تھا۔ بُرائی کے اڈے ختم ہوگئے۔ چوری ڈاکہ ختم ہوگیا۔ دیانت وامانت ہر موڑ پر نظر آنے لگی۔ ہمدردی اور محبت سے یہ بستی معمور ہوگئی۔ اول سے لے کر آخر تک سب کی گردنیں خالق اکبر کے سامنے جھکنے لگیں۔ کوئی بے نماز بستی میں باقی نہ رہا۔ مسجدیں ہر وقت نمازیوں سے معمور رہنے لگیں۔ عورتوں کی جہالت دُور ہوئی کوئی بھی بغیر ستر وحجاب کے نظر نہ آتی تھی۔ بستی کی جہالت دور ہو کر وہ علم وعرفان کا ایک مرکز بن گیا۔ اسلامی تہذیب وثقافت پروان چڑھنے لگی۔ حدود شرعیہ کو لوگ خوشی سے قبول کرنے لگے۔ شرعی حدود کے نفاذ کو وہ اپنے لئے درماں سمجھنے لگے۔

اُصول تعلیم

درعیہ کی مبارک سرزمین میں شیخ نے تعلیم کے چند اصول وضع کئے اس کے مطابق درجہ بدرجہ تعلیم ہونے لگی۔ سب سے پہلے کلمۂ توحید کی تعلیم اور تفسیر بیان کی جاتی تھی۔ پھر اُن کو تین اہم اصول کے سیکھنے کی تعلیم دی جاتی۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت اُس کی آیات اور مخلوقات سے جو کہ اس کی الوہیت اور ربوبیت پر دلالت کرتی ہوں جیسے کہ سورج وچاند وستارے دن اور رات بادل جو زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہیں اور خدا کے حکم سے پرواز کرتے ہیں (۲) دوسری چیز اسلام کی معرفت اور وہ یہ کہ انسان اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کردے اور اُس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور اُس کی منع کردہ چیزوں سے رُک جائے۔ اور اسلام کے ارکان کی پابندی جن پر اس کی بنیاد ہے جس کے بغیر اسلام کا کوئی وجود نہیں وہ صرف ایک کلمہ ہی نہیں ہے جو کہ زبان سے ادا کر دیا گیا ہے

بلکہ پورے ارکان پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے (۳) تیسری چیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت اور پہچان اس طرح پر کہ آپ کا نام کیا تھا اور آپؐ کا نسب کیا تھا آپ کی بعثت کہاں ہوئی۔ اور آپ نے ہجرت کیسے کی اور کیوں کی۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضورؐ کی پہلی دعوت کیا تھی۔ پھر دوبارہ اٹھنے پر ایمان اور بعث بعد الموت کیا چیز ہے۔ اور اس بات کا علم کہ جو اس میں شک کرتا ہے وہ مسلمان نہیں۔ اور اس پر قرآن پاک کے دلائل اور اُس کا طرزِ فہم پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ کہ دینِ محمدؐ کیا تھا اور آپؐ کے صحابہؓ کا دین کیا تھا ظاہر ہے کہ وہ توحید ہی تھی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنایا اور اپنی رحمت کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ ابوجہل اور اُس کے حامیوں کا دین کیا تھا۔ وہ شرک کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ٹھہرے۔ یہ شیخ کا اندازہ تھا اسی انداز پر لوگوں کو تربیت دے رہے تھے۔ جس کا ثمرہ ظاہر ہے کہ حق پرستوں کی ایک کتنی بڑی جماعت تیار ہوئی جو ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار تھی۔

گھر میں دعوت

شیخ کی دعوت کا دائرہ لوگوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ وہ اپنے گھر میں بھی یہی دعوت دیتے تھے اندرون خانہ بھی ایک مستقل درس گاہ کا درجہ رکھتی تھی۔ چنانچہ شیخ کے پاس پانچ بیٹے حسن، حسین، علی، عبداللہ اور ابراہیم اپنے باپ کا تعلیم کے سلسلہ میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ ابن بشر صاحب تاریخ نجد بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ان پانچوں کو درس و تدریس کی بڑی بڑی مجلسوں اور محفلوں میں دیکھا جو کہ اپنے علم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ اور بڑی کثرت کے ساتھ اُن کے پاس دور دراز سے طلباء آتے تھے۔ نجد کے گرد و نواح، صنعاء، زبید، عمان اور دیگر

ممالک کے طلبا کا ہجوم ان کے گرد جمع رہتا تھا۔

تعلیم پر کوئی اُجرت وصول نہیں ہوتی تھی پوری تعلیم مفت تھی بلکہ باہر سے آنے والے طلبائ کے لئے بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جاتا تھا۔ ذہین طلبائ کے لئے گراں قدر انعامات مقرر کئے جاتے تھے تاکہ علم کے میدان میں ایک دوسرے سے بڑھیں۔ مال کے علاوہ اُن کو کپڑے تک دئے جاتے تھے۔ درعیہ اُس زمانے میں اسلامی دنیا کا ایک تعلیمی مرکز بن چکا تھا جس طرح کسی زمانے میں عیسائیوں کا تعلیمی مرکز روم تھا۔

دعوت میں وسعت

شیخ محمد بن عبدالوہاب درعیہ کی سرزمین میں جو کہ اُس دور کا ایک حصن حصین تھا پورے زوروں سے دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دینے لگے۔ علم کی نشرواشاعت کے ساتھ ساتھ آپ کا بیت المال پر بھی کنٹرول تھا۔ آپ کے مشورہ اور مرضی کے بغیر بیت المال سے کوئی خرچ نہیں کیا جاتا تھا۔ فوج اور مجاہدین کے لشکروں کو تیار کرنا بھی آپ کی ہی ذمہ داری تھی۔ سامان حرب الآت اور فوجوں کو موقع پر امداد مہیا کرنا بھی آپ کے ہی ذمہ تھا۔ آپ امام بھی تھے اور مدرس بھی۔ فتوی وقضاء بھی آپ کے ہی سپرد تھی۔ تالیف وتصنیف کے علاوہ مختلف امرا اور رؤسا کو خط بھی آپ ہی لکھتے تھے جس میں اُن کو دعوت حق کے قبول کی تلقین کرتے تھے۔

آپ کی مشہور ترین تالیفات

آپ کی تالیفات میں سے مشہور ترین چیزیں جنھوں نے عرب ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی کایا پلٹ دی وہ ثلاثۃ الاصول، کشف الشبہات اور کتاب التوحید ہیں۔ جو توحید

اور عقیدہ میں بے مثال کتابیں ہیں اِس کے علاوہ مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھی۔ کتنے رسائل لکھے جن کا دعوتِ حق میں بہت اونچا مقام ہے۔

علمأ سے خط وکتابت

علماء سے خط وکتابت بھی آپ ہی کرتے تھے چاہیئے وہ موافق ہوں یا مخالف۔ علماء کو اپنی دعوت کی پوری تفصیل لکھتے تھے اور اپنے ہدفِ نبیل سے اُن کو آگاہ کرتے تھے۔ اپنے طلباء میں سے ذہین شخصیتوں کا انتخاب کر کے وعظ وارشاد اور درس وتدریس کے مختلف مقامات پر روانہ کرتے تھے۔ ضرورت کے موقع پر سیاسی امور میں بھی دخل دیتے تھے۔ آل سعود نے آپ کو بہترین مشیر پایا۔ آپ کی رائے پختہ اور مشورہ بہترین اور پُر مغز ہوتا تھا اس لئے وہ ہمیشہ آپ سے رائے اور مشورہ طلب کرتے تھے۔ اور اُس پر عمل بھی کرتے تھے۔

درعیہ کی سرزمین میں شیخ نے پچاس برس گذار دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائی۔ آپ نے اپنی دعوت کو اپنی نگاہوں کے سامنے پھلتا پھولتا دیکھا۔ مجاہدین کی کامیابیاں اور کامرانیاں جنہوں نے عَلَم توحید کو جزیرۂ عرب میں گاڑا اپنی آنکھوں سے لہراتے ہوئے دیکھا۔ اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے ساتھیوں کی ایک لمبی اور طویل مملکت کو دیکھا جو کہ نجد اور احساء پر مشتمل تھی اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کو ایک دین اور ایک عقیدہ پر جمع کر دیا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی وفات

آپ نے ۱۲۰۶ھ ہجری میں اِس دار فانی سے دار آخرت کا رختِ سفر باندھا۔

جبکہ آپ بانوے سال عمر کے گذار چکے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ درعیہ میں ہی دفن کئے گئے۔ اپنے گھر کو ایک ایسا علم کا گہوارہ چھوڑ کر گئے کہ بیٹوں پوتوں سے آج تک یہ گھرانہ اور خاندان علم وعرفان کا مرکز ہے۔ یہ علم وراثت کے طور پر یوں چلا کہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اس علم کا وارث بنتا رہا۔ اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ آج جتنے بھی بڑے بڑے علماء اس مملکت میں ہیں وہ سب شیخ کے خاندان سے ہیں یا اُن کے شاگرد ہیں۔ آج بھی دعوتِ حق کی نشر واشاعت میں اُن کا وہی طریق کار ہے۔ جو شیخ نے روزِ اول سے متعین کیا تھا۔ درس وتدریس کی محفلیں مساجد کے اندر قائم ہیں۔ تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری ہے آج بھی سینکڑوں اور ہزاروں طالبانِ حق اقطارِ عالم سے جوق در جوق آرہے ہیں اور اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ شیخ کے زمانہ میں جیسے طلباء کو بیت المال سے وظائف جاری کئے جاتے تھے آج بھی وہ اُسی طرح سے وظائف حاصل کر رہے ہیں۔ اور دنیا سے بے نیاز ہو کر کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ راقم الحروف بھی شیخ کے خاندان کا فیض یافتہ ہے اور سعودی حکومت کا مرہونِ منت ہے جنہوں نے آڑے وقت میں ہمارے لئے علمِ دین کے حصول کی راہیں پیدا کیں۔

نفرت کی آگ اور الزام تراشی

شیخ نے جب اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز درعیہ کو بنا لیا۔ تو اب مختلف علمأ اور روسا کو خطوط لکھنے شروع کئے۔ جس میں اُن کو شرک سے ڈرایا گیا تھا۔ اور توحید اور دین خالص کی دعوت دی گئی۔ اُن دنوں سلمان آل محمد جو کہ حساء کے امیر تھے اور ابن مفلق جو کہ قطیف کے امیر تھے اور ابن تونیی جو کہ بصرہ کے امیر تھے اور ابن دواس جو کہ ریاض کا مستقل حاکم تھا اور اُن کے ساتھ ہی ساتھ مختلف

سُنی اور شیعی علماء شیخ کا تمسخر اُڑانے لگے اور اُس پر قسم قسم کے افترأ باندھنے لگے آپ پر خارجی ہونے کی تہمتیں لگائی گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض نے حکام سے مل کر شیخ کے قتل کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

سب سے پہلا شخص جس نے شیخ پر گمراہ ہونے اور کافر ہونے کا فتویٰ لگایا۔ وہ ریاض کے دو ملّاں تھے جن کا نام محمد بن سحیم اور اُس کا بیٹا سلیمان تھا۔ انہوں نے بصرہ، احساء اور حرمین کے علماء سے مل کر اُن کا مقابلہ اور قتل کی تدبیریں کیں۔ انہوں نے فتویٰ صادر کیا کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب خارجی ہیں بلکہ کفار اور خوارج سے بھی بدتر ہیں۔ ان معاندین میں شیخ کے اپنے بھائی سلیمان بن عبد الوہاب بھی شروع شروع میں دعوت کی مخالفت کرنے والوں کا ساتھ دیتے تھے۔ آپ حریملا میں قاضی کے عہدہ پر فائض تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت دی اور جلدی ہی توبہ کر لی اور اپنی خطا کا اقرار کیا۔

علمأ نے لوگوں کو شیخ کی مخالفت پر اُبھارا۔ اکثریت ان پڑھ اور جاہلوں کی تھی وہ اپنے علمأ پر اعتماد کرنے لگے۔ اصل بات کو سمجھتے نہیں تھے اور اُن کے علمأ شیخ کو جھوٹے رنگ میں اُن کے سامنے پیش کرتے تھے۔ معاندینِ حق کا یہی ایک حربہ ہے جو روزِ اول سے چلا آ رہا ہے اور اسی حربے کو موجودہ زمانہ میں بھی علمأ اور صلحأ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اصل قرآن کی دعوت پر کوئی غور و فکر نہیں کرتا، اور بیان کرنے والے کی کوئی نہیں سنتا، اور لکھنے والوں کی کوئی تحریر نہیں پڑھتا۔ بس افترأ پردازی کا ایک تو الہ ہے جو اُن پر باندھا جا رہا ہے۔ شیخ پر بھی یہی اور اسی قسم کے الزام تراشے گئے۔ کہا گیا کہ یہ ولیوں اور اُن کی کرامتوں کا منکر ہے۔ حالانکہ شیخ ولیوں اور اُن کی کرامتوں کے منکر نہ تھے کوئی مسلمان بھی ولیوں اور ان کی کرامتوں کا منکر نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُن

کے پکارنے سے منکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا جائز نہیں کیونکہ یہ شرک ہے۔ اپنی حاجتوں کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارنا چاہیئے۔ بس اس بات پر باطل پرست علماء اور گدیوں کے پیر یہ شور مچانا شروع کر دیتے تھے۔ کہ دیکھو یہ اولیاء کا اکرام نہیں کرتے اور ان کی کرامتوں کے قائل نہیں۔ آج بھی حق پرستوں کے لئے یہی حربہ استعمال کیا جا رہا ہے۔

وہ شیخ کے متعلق یہ بھی کہتے تھے کہ یہ قبروں کی زیارت سے منع کرتا ہے حرام سمجھتا ہے۔ حالانکہ شیخ قبروں کی زیارت کو حرام نہیں کہتے تھے اور نہ ہی کوئی مسلمان قبروں کی زیارت سے منع کرتا ہے۔ بلکہ قبروں کی زیارت سنت ہے اور قبروں کی زیارت شرعاً مطلوب ہے۔ ہاں زیارت ایسے ہو جیسے کہ اللہ تعالےٰ کے رسول نے بتایا اور سکھایا ہے کہ قبر والوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگی جائے اور انہیں سلام کہا جائے۔ جب وہ قبروں پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ قبر والے اُن کو نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں جو کہ بالکل قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ جب شیخ اُن کو منع کرتے تھے کہ غیر اللہ سے مرادیں نہ مانگو تو وہ یہ الزام لگاتے تھے کہ ہمیں قبروں کی زیارت سے روکتے ہیں۔ اور اس کو حرام کہتے ہیں۔ بالکل یہی انداز آج بھی حق پرستوں کے خلاف اختیار کیا گیا ہے۔ اصل حقیقت پر پردہ ڈال کر لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ قبروں پر جانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔

دعوت کا تیسرا مرحلہ

اس مقام پر پہنچ کر شیخ دعوت کے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ جو لوگ دعوت و تبلیغ سے راہِ راست پر نہیں آتے اور اصل بات سمجھنے سے

قاصر رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ انہیں زبان سے قلم سے مراسلات سے سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر وہ راہ راست پر نہ آئے اور اُن کی مخالفت کی آگ اور بھڑکتی رہی تو اس لئے اب تیسرا اقدام یہ ہوگا کہ توحید کے مخالفین کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جائے۔ اور قرآن کی صراحت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کا حق ادا کیا جائے۔
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ۔ یعنی مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو۔ یہ کام ایک فرد کا نہیں یہ کام ایک مومن اور مسلم حکومت کا ہے۔ جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے ایک حق پرست حکومت کی طرح ڈالی اور اس فریضہ کے ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خود بیٹھے نہیں رہے بلکہ تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر میدانِ کارزار میں آراستہ ہوئے اور حق کی حمایت کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوئے۔

امیر محمد بن سعود کا جہاد اور اس کے ثمرات

شیخ کے فرمان پر امیر محمد بن سعود نے تلوار اٹھائی لوگوں کو افعال جاہلیہ سے روکنے لگا اور اُن کو توحید کی دعوت دینے لگا۔ اُن کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی دعوت پیش کرتا تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ساتھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مخالفین کو مشرکین سے تعبیر کرتے تھے یہ مرحلہ ایسا شدید مرحلہ تھا کہ جس میں آل سعود اور آل شیخ نے اپنی جانیں کھپا دیں مدتوں توحید و سنت کی نشر و اشاعت میں برسرپیکار رہے۔ بدعات اور خرافات کا قلع قمع کرنے کے لئے انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آخر ایک دن جزیرۂ عرب میں یہ بھی آیا کہ نہ کوئی قبہ رہا اور نہ ہی کوئی مزار جس کی پوجا کی جارہی ہو اُن تمام اڈوں کو ختم کر دیا جہاں سے بدعات اور خرافات کا صدور ہوتا تھا۔ سارے ملک

میں غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز ختم ہوئی۔ تعویذ گنڈے کا خاتمہ کر دیا۔ ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ ہم نے سارے ملک میں چکر لگایا بالخصوص نجد میں جو کہ شیخ کی دعوت کا مرکز تھا۔ ایک انسان بھی ایسا نہ پایا کہ جس نے اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا گنڈا لٹکایا ہو یا باندھا ہوا ہو۔

آج تک مساجد میں صبح کی نماز کی حاضری لگتی رہی اور دین کے تین اصول کی تعلیم مسجدوں میں جاری ہے۔ صبح کی نماز کے بعد امام باری باری ہر شخص سے چھوٹا ہو یا بڑا سب سے تین اصولوں کے متعلق سوال کرتا ہے جن کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

دعوتِ شیخ کے تین اصول

شیخ کی ابتدائی دعوت تین اصولوں پر مبنی تھی۔ پہلا اصول یہ کہ بندے کے لئے اپنے رب کو پہچاننا اور اُس کی معرفت تامہ پیدا کرنا ضروری ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ ہمارے رب نے ہی ہماری پرورش کی ہے اور سارے جہان کا پرورش کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے وہی ہمارا معبود اور اُس کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ جس کی پوجا اور عبادت کی جا سکے اس کی دلیل کہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور ہمارا پالنے والا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ یعنی سب تعریف اُس ذات باری کے لئے ہے۔ جو کہ سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد یہ ہے کہ اُس کی پہچان کے لئے ہمارے پاس دلائل ہوں کہ واقعۃً وہی مستحق عبادت ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اُس کی آیات اور مخلوقات سے پہچانا۔ اُس کی آیات سے مراد رات، دن، سورج، چاند اور ستارے ہیں اور اُس کی مخلوقات سے مراد زمین و آسمان اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔

سب اللہ کی مخلوق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ اور فرمایا اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ معلوم ہوا۔ جو رب ہے وہی معبود ہے۔ جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ان چیزوں کا خالق ہے وہی مستحق عبادت بھی ہے۔

دوسرا اصول دین اسلام کی معرفت ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے سر تسلیم خم کر دے اور اُس کی اطاعت میں لگ جائے شرک اور مشرکین سے اپنی بریت کا اظہار کرے اور اس اسلام کے جملہ مراتب کو سمجھے تاکہ عمل کرنے میں آسانی ہو۔ علم کے بغیر عمل ناممکن اور محال ہے۔

تیسرا اصول نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور پہچان ہے۔ وہ یوں کہ حضورؐ کا نام آپؐ کا حسب و نسب، آپ کہاں پیدا ہوئے آپؐ کا بچپن اور جوانی۔ کب مبعوث ہوئے پہلی دعوت کیا تھی آپ کی ہجرت اور اس کے اسباب پھر آپ کی پوری دعوت اور وفات یہ ہر مسلمان کے لئے جاننا ضروری ہے پھر ان امور کی وضاحت کے لئے شیخ نے ایک مختصر رسالہ لکھا جس کا نام ثلاثۃ الاصول رکھا آج بھی یہ رسالہ سعودی عرب کے تمام سکولوں میں داخل نصاب ہے گھروں، اور مسجدوں میں اس کا درس جاری ہے۔ بدو اور دیہاتی تک اس رسالے کو حفظ کئے ہوئے ہیں اور اس پہ عامل ہیں۔ شیخ کی دعوت کی برکات اور آپ کی تالیفات کا اثر ہے کہ پورا ملک شرک و بدعات اور خرافات سے بالکل پاک ہے۔

مال غنیمت اور اُس کا مصرف

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ اور آل سعود کا جہاد ملک کی ہوس گیری کے لئے نہ تھا بلکہ قرآن و سنت کی دعوت اور توحید کی نشر و اشاعت کے لئے تھا شیخ نے جب اِس غرض نبیل کے لئے پہلا لشکر تیار کیا تو وہ بڑی کامیابی سے نصرت و کامرانی حاصل کرتا ہُوا واپس لوٹا اور بہت کچھ مالِ غنیمت ساتھ لایا۔ شیخ کی حالت یہ تھی کہ جب لوگ آپ کی طرف درعیہ میں ہجرت کر کے آ رہے تھے۔ تو اُن کی مدد کے لئے بھاری مقداریں قرض اٹھا لیتے تھے اور اُن کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ طلاب اور مہاجرین کا سلسلہ جاری تھا اور وفدوں پر وفد آ رہے تھے اُن کے جملہ مصارف شیخ کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔ درعیہ کی امارت اس کی متحمل نہ تھی محدود آمدنی سے یہ بارِ عظیم اٹھانا بڑا مشکل تھا اس لئے آپ اصحاب اموال سے قرضِ حسنہ کے طور پر کچھ لے لیتے تھے اور یوں آنے والوں کی تالیفِ قلب بھی ہوتی تھی اور وہ درعیہ میں اپنے لئے سکون پاتے تھے۔ اسی بنا پر محبت کے جذبات اُبھر آتے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جاتے تھے۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جب ریاض فتح کیا گیا تو شیخ کے ذمہ چالیس ہزار محمدی سکہ قرضِ حسنہ تھا جس کو ریاض کی غنیمت میں سے ادا کیا گیا۔ شیخ ذاتی طور پر اپنے پاس کوئی درہم و دینار اور روپیہ پیسہ نہیں رکھتے تھے مالِ غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ اور مالِ زکوٰۃ جو کچھ بھی آتا تھا۔ اپنے ساتھیوں انصاروں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ شیخ کا ہاتھ سخاوت میں اتنا کھلا تھا کہ بعض اوقات خمس کے مال کو دو تین آدمیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ تقسیم میں حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔
مالِ غنیمت اور زکوٰۃ میں سے جو کچھ بھی وصول ہوتا تھا وہ سارے کا سارا آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا تھا۔ اس مال میں سے نہ ہی امیر محمد بن سعود کچھ لیتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے بیٹے عبد العزیز بن محمد بن سعود جو کہ امیر محمد کے جانشین تھے۔ اور باپ کی وفات کے بعد وہ ہی درعیہ کے امیر مقرر ہوئے۔ شیخ کو پورا اختیار تھا کہ کتاب و سنت کے مطابق جہاں بھی چاہیں خرچ کر دیں۔ امیر بھی آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں لیتا تھا۔ حل و عقد، لینا دینا، تقدیم و تاخیر، لشکر کی آمد و رفت سب کچھ آپ کے ہی اختیار میں تھا جس میں امیر محمد اور آپ کے بیٹے امیر عبد العزیز کوئی دخل نہیں دیتے تھے۔
جب ریاض فتح ہوا اور اُس کے گرد و نواح کے سارے علاقے شیخ کے قبضہ میں آگئے۔ اور ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ تو شہری اور دیہاتی سب مطمئن ہو گئے اور شیخ نے جملہ اختیار امیر عبد العزیز بن محمد بن سعود کے سپرد کر دئیے۔ مسلمانوں کے جملہ امور اور بیت المال کی نگرانی انہیں کے سپرد ہو گئی۔ آپ خود شیخ عبادت اور درس و تدریس کے لئے فارغ ہو گئے۔ بلکہ آخری وقت میں جب چلنے کی سکت باقی نہ تھی تو دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر مسجد کی طرف چلتے تھے اور جماعت کے ساتھ ہی نماز ادا کرتے تھے۔ امیر محمد بن سعود کے بعد جب اُس کا بیٹا عبد العزیز امیر بنا تو وہ بھی شیخ سے پوچھے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا اور کسی کام کی تنفیذ آپ کے حکم اور اشارے کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔

آپ کا عقیدہ اور مذہب

شیخ محمد بن عبد الوہاب سلف صالحین کے عقیدہ پر قائم تھے براہِ راست

کتاب و سنت سے دلیل پکڑتے اور کسی قسم کی کوئی تاویل نہیں کرتے تھے اور نہ ہی نئے نئے فلسفہ کو عقیدہ میں جگہ دیتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ پر اُس کے اسماء و صفات کے ساتھ ایمان رکھتے تھے آپ کا فرشتوں، رسولوں، کتابوں، یوم آخرت بُری اور اچھی تقدیر پر ایمان تھا۔ آپ توحید میں ائمہ اربعہ کے مذہب پر تھے اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء و صفات میں بغیر کسی تعطیل اور بغیر کسی تشبیہ کے ایمان رکھتے تھے بعث و نشور جزاء و سزا جنت اور جہنم سب پر ایمان تھا۔ ایمان میں سلف کے عقیدہ کے مطابق کہتے تھے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اور کم ہوتا ہے اور زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ کی طاعت سے زیادہ ہوتا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ البتہ فروعات میں آپ حنبلی تھے اور وہ بھی جامد قسم کی تقلید نہیں کرتے تھے جب قرآن و سنت کی دلیل مل جاتی تو اپنے امام کے قول کو چھوڑ دیتے تھے۔ یہ آپ کا مذہب اور عقیدہ تھا۔ مگر لوگوں نے آپ کو بڑے بڑے بُرے لفظوں سے یاد کیا صرف جہل اور تعصب کی بنا پر یا اس خاطر کہ وہ شرک و بدعت کا رد کرتے تھے اور لوگوں کو خرافات سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ آئندہ ہم انہی صفحات میں یہ بتائیں گے۔ کہ کس طرح اُن پر الزام لگائے گئے اور مختلف خطوط اور رسائل سے انہوں نے ان غلط فہمیوں کا کیسے ازالہ کیا۔

شیخ کی تالیفات کا تذکرہ اور ثمرات

شیخ محمد بن عبد الوہاب کا جہاد صرف زبان اور تلوار تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ انہوں نے قلم اٹھایا اور مختلف جگہوں میں دین حنیف کے دعوت نامے بھیجے اپنے بعض خیر خواہوں اور دوستوں کو بھی خط لکھے تاکہ وہ دوسروں کو توحید کے مسئلہ سے روشناس کرائیں۔ بعض اُن لوگوں کو بھی خط لکھے جو کہ شیخ کی دعوت

کے مخالف تھے۔ بہر حال شیخ کی ساری زندگی سراپا جہاد ہے ابتدا میں زبان سے
جہاد کیا۔ لوگوں کو توحید کے حقائق سے آگاہ کیا۔ مختلف مقامات اور مجمعوں میں
اسلام اور توحید کی صحیح تعلیم پیش کرتے تھے۔ اُدھر درعیہ میں بیٹھ کر ایک تعلیم
کا مرکز قائم کیا۔ جہاں لوگوں کی صحیح طور پر تربیت ہونے لگی۔ دوسری طرف قوت
بھی استعمال کی۔ جب آپ نے ایک منظم جماعت تیار کر لی اور امیر درعیہ نے
بھی دعوت قبول کر لی اور ہر مصیبت سہنے کے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو
گئے۔ تو آپ نے تلوار ہاتھ میں لی اور حق کے مخالفوں کے سامنے ڈٹ گئے
اس جہاد کے بعد جو کچھ دنیا نے دیکھا وہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، اس کے
ساتھ ہی ساتھ تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی شروع کیا اور خط و کتابت و رسل
و رسائل کے ذریعۂ لوگوں کو توحید و سنت کی دعوت پیش کرنے لگے۔ آپ کے
خلاف جو زہر اُگلا جا رہا تھا اُس کا جواب بڑے احسن طریقے سے دیتے تھے۔
اور لوگوں کے شکوک و شبہات کو بھی دور کرتے تھے۔ بڑے بڑے رسالوں
اور کتابوں کا ترجمہ جو اُنہوں نے تالیف کیں یہاں پیش کرنا مشکل ہے اس
کے لئے کتنی مجلدات کی ضرورت ہے۔ اس سے قبل راقم الحروف اُن کے
ایک رسالہ کشف الشبہات کا ترجمہ کر چکا ہے جو کہ انہوں نے توحید کے
متعلق تالیف کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ایک رسالہ
جو کہ انہوں نے توحید کے متعلق تالیف کیا تھا کا ترجمہ بھی اس راقم حروف
نے کیا ہے یہ دونو رسالے ایک کتابچے کی صورت میں گلشن توحید کے نام
سے دو دفعہ شائع ہو چکے ہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کا ایک رسالہ جس کا نام
الاصول الثلاثہ ہے اور یہ بھی توحید میں لکھا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی راقم الحروف
کر چکا ہے خیال ہے کہ مذکورہ بالا دونوں رسالوں کے ساتھ اس تیسرے رسالہ

کو بھی ملا دیا جائے اور ایک کتاب کی صورت میں مجموعۃ التوحید کے نام سے شائع کیا جائے یہ کتاب توحید کے فن میں ایک بہترین کتاب ہوگی اور عوام اِس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور کتنوں کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِس عاجز کو اِس کتاب کے بعد مجموعۃ التوحید کے شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے یہاں مقصود صرف شیخ کے بعض خطوط کا ذکر کرنا ہے جو انہوں نے مختلف اوقات میں مختلف جگہوں اور لوگوں کو لکھے۔ اور انہیں دعوت حق پیش کی۔ ان خطوط اور رسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کی دعوت کیسی تھی۔ اور آپ کا دین و مسلک اور عقیدہ کیا تھا۔ عام طور پہ جو غلط قسم کا پراپیگنڈا اُن کے خلاف کیا گیا ہے یہ خطوط اُن پر ایک ضرب کاری ہیں۔

اہل سدیر، وشم اور قصیم کے علمأ کے نام خط

یہ وہ خط ہے جو کہ آپ نے اہل سدیر، وشم اور قصیم کے علمأ کے نام لکھا۔ جبکہ انہوں نے اہل ریاض کو مسلسل خطوط لکھے تھے۔ جس میں شیخ کی دعوت پر بہت مضطرب تھے اور اُن کو اُس کی دعوت سے روکنا چاہتے تھے۔ ان خطوط میں انہوں نے شیخ پر بہت کچھ طعن و تشنیع بھی کی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ یہ خط محمد بن عبدالوہاب کی طرف سے ہر اُس مسلمان کے لئے ہے جس کو یہ خط موصول ہو۔ خصوصاً محمد بن عبید و عبدالقادر العدیلی اور اُس کا بیٹا و عبداللہ بن سحیم و عبداللہ بن عضیب و حمیدان بن ترکی و علی بن زامل و محمد اباالخیل و صالح بن عبداللہ متوجہ ہوں۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف بھیجا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین کامل اور شرع متین

کی ہدایت فرمائی۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں اخلاص عطا فرمایا جو کہ اس دین کا زُبدہ اور خلاصہ ہے اور شرک سے منع کیا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارا جائے یہاں تک کہ ملائکہ اور انبیأ بھی اس کے مستحق نہیں۔ چہ جائے کہ اُن کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اُس کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی کے سامنے اُس کے سوا رکوع کیا جائے مصیبتوں کے حل کے لئے اُس کے سوا کسی اور کو نہ پکارا جائے۔ خیر کی طلب اُس کے سوا کسی اور سے نہ ہو۔ نذر و نیاز کا مستحق بھی وہی ہے اس کے سوا کسی غیر کی نذر و نیاز بھی نہ دی جائے۔ اس کے سوا کسی اور کے نام کا حلف بھی نہ اٹھایا جائے۔ اس کے سوا کسی کے نام پر ذبح بھی نہ کیا جائے۔ ہر قسم کی عبادت اُس وحدہ لاشریک لہ کے لئے ہے۔ اور وہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا بھی یہی معنی ہے۔ اس لئے کہ اِلٰہ جو کہ معبود حقیقی ہے وہی ہمارا مقصود اور اُسی پر ہر قسم کا اعتماد ہے۔ جو توحید کو نہیں جانتا ہے اُس کے لئے یہ کام بڑا آسان ہے مگر جو اس کو پہچانتا ہے اس کے نزدیک یہ کام بہت بڑا اور ایک عظیم الشان مرحلہ ہے۔ جس نے توحید کے مسئلہ کو سمجھ لیا اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اکثر لوگوں کے ساتھ شیطان نے کھیل کھیلا ہے اور شرک باللہ کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ صالحین کی محبت اور تعظیم کا قالب تیار کر کے شرک باللہ میں مبتلا کیا۔ یہ بحث دو بڑے عظیم الشان قاعدوں پر مشتمل ہے۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جن کفار سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی وہ اللہ تعالیٰ کو خوب پہچانتے تھے اور اُس کی پوری تعظیم بجالاتے تھے۔ حج اور عمرہ بھی ادا کرتے تھے۔ اور اُن کا یہ گمان بھی تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اور وہ اس بات کی شہادت بھی

دیتے تھے کہ اللہ کے سوا اور کوئی خالق نہیں اور وہی سب کا رازق ہے اُن کا یہ ایمان بھی تھا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا اور کوئی کاموں کی تدبیر کرنے والا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے متعلق خود قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ "قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ الآیۃ" جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہیں زمین و آسمان سے رزق کون پہنچاتا ہے تو وہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا یہ کام اور کوئی نہیں کر سکتا۔ جب آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ کفار ان سب چیزوں کی شہادت پیش کرتے تھے اور یہ اُن کا ایمان تھا۔ تو اس کے بعد دوسرا قاعدہ بھی سمجھ لیں۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وہ صالحین اور بزرگوں کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ فرشتوں عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو پکارتے تھے۔ واضح ہے کہ جو بھی اس پکار سے منسوب کیا جائے گا وہی الٰہ ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ پیدا کرنے یا رزق دینے کی کوئی قوت رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام کو صرف اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن پاک اس کے متعلق ارشاد فرماتا ہے وَیَقُوْلُوْنَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اِن کی عبادت نہیں کرتے ہیں مگر صرف اس لئے کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ اِلٰہ کا معنی اُن کے نزدیک اور ہمارے نزدیک ایک ہی ہے۔ صرف راز اتنا ہے کہ وہ اپنے مشائخ کو یہ مقام دیتے ہیں کہ انہیں پکارا جا سکتا ہے اور وہ نفع و نقصان دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اُن کی یہ تقسیم غلط ہے اور یہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا معنی نہیں ہے۔ بلکہ اِلٰہ سے مراد وہی ہے جو کہ مقصود اور معبود ہو۔ اور مدعو ہو یعنی جس کو پکارا جائے اور وہی مرجو ہو یعنی جس سے امیدیں وابستہ

کی جائیں۔ لیکن ہمارے زمانہ کے مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مشرکوں سے بدتر ہیں۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی یہ کہ کفار انبیاء اور فرشتوں کو آسانی اور راحت کے وقت میں پکارتے تھے۔ مگر مصیبتوں کے وقت میں خاص اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ الآیۃ یعنی جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت آتی ہے تو جن کو تم پکارتے تھے وہ تم سے گم ہو جاتے ہیں۔ پھر سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں پکارتے۔

دوسری دلیل یہ کہ ہمارے زمانے کے مشرک ایسے لوگوں کو پکارتے ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو آپ پر یہ چیز پوشیدہ نہیں رہی کہ زمین اس وقت کس طرح شرک اکبر سے بھری ہوئی ہے۔ کوئی نبی کی قبر پر آتا ہے اور کوئی صحابی کی قبر پر اور کوئی کسی نیک اور صالح انسان کی قبر پر۔ اور یہ مصیبتوں کے لئے انہیں پکارتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ اُن سے غائب ہیں۔ اور کوئی ان کی نذر و نیاز دیتا ہے۔ اور کوئی جنوں کے لئے ذبح کرتا ہے۔ اور کوئی دنیا اور آخرت کے مصائب کا اُن سے حل چاہتا ہے۔ اور کوئی دنیا اور آخرت کی خیر اور بھلائی اُن سے مانگتا ہے اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرک ہے۔ اور بتوں کی پوجا کے مترادف ہے اور ایسا کرنے سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ تو پھر آپ کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے۔ بحر و بَر ان عقائدِ باطلہ سے اَٹا پڑا ہے۔ کتنے لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں باوجود اس کے کہ وہ راتوں کو جاگتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو صلاح و تقویٰ والوں میں سے گردانتے ہیں۔ آپ لوگ علما ہو کر کیوں خاموش ہیں لوگوں کو باہر نکل کر کیوں نہیں بتاتے کہ یہ کفر باللہ ہے اور خروج عن الدین ہے۔

ذرا بتاؤ تو سہی کہ اگر کچھ لوگ یا بستی والے اپنی بہنوں سے نکاح کر لیں اور جہالت کی
بنا پر اپنی پھپھیوں سے نکاح کر لیں۔ کیا کسی شخص پر جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا
ہے جائز ہے کہ ان کو اسی طرح چھوڑ دے اور انہیں تعلیم نہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے بہنوں
اور پھپھیوں سے نکاح حرام کیا ہے۔ پس اگر تم یہ عذر پیش کرتے ہو کہ ان کا یہ نکاح اُن
افعال سے جو کہ لوگ آج اولیاء اور صحابہؓ کی قبروں پر ان کی عدم موجودگی میں کرتے ہیں
سے زیادہ بڑا ہے۔ تو جان لو کہ تم لوگوں نے دینِ اسلام کو نہیں پہچانا اور نہ ہی تم نے
لا الہ الا اللہ کا معنی ہی سمجھا۔ اور اِس کی دلیل وہی ہے جو پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب
کی آیات گذر چکی ہیں تمہارے لئے کس طرح جائز ہے کہ حق کو چھپاؤ اور ان چیزوں سے
اعراض کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب والوں سے وعدہ لیا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ کتاب
بیان کر دیں اور اس میں سے کوئی چیز بھی نہ چھپائی جائے۔ اگر قرآنی استدلال تمہارے
نزدیک استہزا اور جہل ہے جیسا کہ تمہاری عادت ہے اور تم اسے قبول نہیں کرتے
تو پھر الاقناع فقہ حنبلی کی کتاب اٹھاؤ اور مرتد کے حکم کا باب نکالو۔ جس میں بڑے
بڑے عظیم امور ذکر کئے گئے ہیں کہ جب انسان سے یہ سرزد ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جاتا
ہے اور اُس کا خون حلال ہو جاتا ہے۔ جس طرح انبیاء اور صالحین میں اعتقاد رکھنا
اور انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنانا حرام ہے اور اسی طرح ہوا میں اُڑنا اور
پانی پر چلنا ہے پس اگر تم میں سے کوئی اس قسم کے کام سرانجام دے جیسا کہ السائح
الاعرج تم میں مشہور ہے اور تم اُن میں صلاح و تقویٰ کا اعتقاد رکھتے ہو۔ حالانکہ
الاقناع میں اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق صریحاً کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔
اگر تمہاری حالت یہی ہے تو پھر جان لو کہ تم نے لا الہ الا اللہ کا معنی نہیں سمجھا ہے
اگر میری اس کلام میں جو میں تمہیں تحریر کر رہا ہوں کچھ غلو معلوم ہو کہ اس قسم کے
افعال باوجود حرام ہونے کے اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ اور یہ کہ ہمارے زمانے

کے لوگوں کے افعال جو کہ وہ مصیبتوں کے وقت میں انبیاءؑ اور صالحین کی قبروں پر سرانجام دیتے ہیں ان محرم امور میں سے نہیں ہیں۔ تو پھر آپ لوگوں پر واجب ہے کہ ہمیں حق واضح کریں۔ اور اپنے ارشادات سے ہمیں سمجھائیں۔ اور اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ حق وہی ہے جو ہم نے کہا ہے جس میں کوئی شک نہیں تو پھر آپ لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی اشاعت لوگوں میں کریں۔ اور مردوں اور عورتوں کو اس کی تعلیم دیں۔ اللہ تعالیٰ کا رحم ہو اُس پر جس نے اپنے واجب کو ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ کیونکہ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسا اُس نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور ہمارے سب بھائیوں کو ایسی ہدایت فرمائے گا جس کو وہ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے والسلام!۔

(۲) یہ خط شیخ محمد بن عبدالوہاب نے عبدالرحمن بن ربیعۃ کی طرف بھیجا جو کہ اہل ثادق کا عالم اور امام تھا۔ آپ لکھتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ خط محمد بن عبدالوہاب کی جانب سے عبدالرحمن بن ربیعہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط ملا جس میں آپ نے بہت سے مسائل پر استفسار کیا ہے۔ اور آپ نے ذکر کیا ہے کہ مقصود آپ کا حق کی اتباع کرنا ہے۔ ان مسائل میں سے جو آپ نے دریافت کئے توحید کا مسئلہ بھی ہے۔ سو ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ سب سے پہلے تم اُن کو جس چیز کی دعوت دو وہ یہ ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔ پس اگر وہ اس کا اقرار کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ آخر حدیث تک جب یہ معلوم ہو گیا کہ کوئی

آدمی نماز کی طرف نہیں بلایا جاتا مگر بعد اس کے کہ وہ توحید کا اقرار کرے اور اُس پر عامل ہو جائے۔ تو جزوی مسائل کی طرف جس میں کہ علما کا اختلاف ہُوا ہے کیسے بلایا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ جس توحید کی طرف اول سے لے کر آخر تک انبیأ نے دعوت دی ہے وہ خالص اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے اور نہ کسی نبی اور مرسل کا حق ہے۔ چہ جائے کہ اُن کے علاوہ اوروں کو اُس کی عبادت میں شریک ٹھہرایا جائے۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ اُس کے سوا کسی اور کو نہ پکارا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ یعنی مسجدیں اللہ کی ہیں اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔ جو شخص رات دن اللہ کی عبادت میں مشغول ہے مگر اس کے بعد وہ نبی کو یا ولی کو یا کسی قبر والے کو پکارتا ہے تو اُس نے دو معبود بنا لئے حالانکہ معبود ایک ہی ہے گویا کہ اُس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہی نہیں دی ہے۔ کیونکہ اِلٰہ تو وہی ہے جس کو حاجت کے وقت پکارا جائے جیسا کہ آج کل مشرکین حضرت زبیرؓ کی قبر پر اور شیخ عبدالقادرؒ کی قبر پر کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ اِس سے پہلے حضرت زیدؓ کی قبر پر کرتے تھے۔ اگر کوئی ہزار قربانیاں بھی اللہ کے نام کی کر دے اور پھر نبی کے نام یا غیر اللہ کے نام کی قربانی کرے تو اُس نے بھی دو معبود بنا لئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی تو کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور ذبح کرنا اور میری موت و حیات اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اور النسک سے مراد ذبح ہی ہے۔ پس اس پر قیاس کریں جس نے ہر قسم کی عبادت میں اخلاص پیدا کیا اور کسی دوسرے کو اُس میں شریک نہ کیا تو یہی ہے جس نے صحیح معنوں میں لا اِلٰہ اِلّا اللہ کہا اور

جس نے اس عبادت میں کسی اور کو شریک کر لیا وہی مشرک ہے۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا منکر ہے۔ اور اس قسم کے شرک سے آج دنیا مشرق و مغرب تک بھری ہوئی ہے۔ ہاں کچھ غربا جس کا ذکر حضورؐ کی حدیث میں آیا ہے۔ اور جن کی تعداد بہت قلیل ہے اس شرک سے محفوظ ہیں۔ اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اہلِ علم اور کسی مذہب میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر آپ اس کا مصداق چاہیں تو ہر مذہب کی فقہ کی کتاب نکال کر دیکھ لیں کہ مرتد کے حکم کے باب میں کیا لکھا ہے۔ وہاں یہ تفصیل ملے گی کہ کون سے وہ امور ہیں جن کو مسلمان سر انجام دے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اور اُس کا مال اور جان حلال ہو جاتا ہے جو اللہ اور اپنے درمیان کسی کو واسطہ بناتا ہے کس طرح امتناع کے اندر اجماع بیان کیا گیا ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ پھر تمام کتابوں کو دیکھ لو جو کچھ ائمہ نے بیان کیا ہے اگر آپ کو کسی مسئلہ میں اختلاف معلوم ہو تو ہمیں آگاہ کرو۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے افعال سرزد کرنے والے کے متعلق اجماع ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے یا ان باتوں پر راضی ہو یا جھگڑا کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ہمارے پاس المویس اور ابن اسماعیل اور احمد بن یحییٰ کے خطوط پڑے ہیں۔ جو اس دین کے منکر ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے اور وہ اس سے اپنی بریئت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اس دین سے روکنے کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔

اگر تم توحید پر قائم ہو جاؤ اور لوگوں کو اس کی دعوت پیش کرنا شروع کر دو چاہے تمہاری ان لوگوں کے ساتھ عداوت کیوں نہ ہو جائے تو تم ہمارے بھائی اور محبوب ہو۔ اس کے بعد دوسرے مسائل کے مذاکرہ کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اگر تم توحید پر علماً اور عملاً قائم نہ ہوئے تو پھر دیگر مسائل

کے مذاکرہ کا کوئی معنی نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳۳) یہ خط شیخ محمد بن عبد الوہاب نے عراق کے ایک مشہور عالم ابن السویدی کی طرف لکھا تھا۔ جبکہ انہوں نے شیخ کو خط لکھا تھا اور اس میں ان باتوں کے متعلق سوال کیا تھا جو لوگ شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق مشہور کئے ہوئے تھے۔ شیخ کا یہ خط گویا اُن کے جواب میں ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط محمد بن عبد الوہاب کی طرف سے عبد الرحمن بن عبد اللہ کی طرف ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو متقین ائمہ میں سے بنائے اور آپ سید المرسلین کے دین کے داعیوں میں سے ہوں۔ میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں اللہ کے فضل و کرم سے متبع ہوں مبتدع نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور میرا دین کہ جس پر میں قائم ہوں وہی اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے اور اسی پر تمام مسلمانوں کے امام بھی ہیں اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ چاروں اماموں کے متبعین بھی اسی عقیدے پر ثابت قدم ہیں۔ لیکن میں نے چونکہ لوگوں کو اخلاص فی الدین کی تعلیم دی اور اُن کو صالحین کی پکار اور ندا سے منع کیا۔ چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ اور انہیں اللہ کی عبادت میں شرک کرنے سے منع کیا۔ جیسے کہ ذبح کرنا نذر دینا اور توکل اور سجدہ کرنا اور اس قسم کی دوسری چیزیں بجالانا جو کہ اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔ اس میں کسی کو شریک نہیں بنایا جا سکتا نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ ہی کسی نبی اور رسول کو۔ یہی وہ دعوت ہے جس کو انبیاء لے کر اٹھے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اول سے لے کر آخر تک اہل سنت والجماعت کا یہی دستور اور طریقہ ہے۔ اور میں نے انہیں بیان کیا کہ سب سے پہلے جس نے شرک اس اُمت میں داخل کیا وہ ملعون رافضی ہیں

جنہوں نے حضرت علی اور اُن کے علاوہ دوسروں کو پکارنا شروع کیا۔ اُن سے اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے فریادیں کرنے لگے اور مصیبتوں کے حل کے لئے پکارنے لگے۔ میں اپنے شہر میں ایک صاحب منصب آدمی ہوں اور لوگ میری بات سنتے ہیں۔ بعض رؤسا نے اس پر انکار کیا اور اسے بُرا منایا۔ کیونکہ یہ باتیں اُن کے عادات کے خلاف تھیں جس ماحول میں کہ وہ پرورش پائے تھے اور اس طرح میں نے اُن لوگوں کو جو کہ میرے ماتحت تھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ دوسرے فرائض کی پابندی بھی اُن پر لازم قرار دی۔ اور اُن کو سود سے منع کیا۔ شراب اور مسکرات کا استعمال اُن کے لئے بند کر دیا گیا۔ ہر قسم کی منکرات سے اُن کو باز رکھا گیا۔ رؤسا نے ان چیزوں میں کسی قسم کا اختلاف نہ کیا اور نہ ہی اس پر کوئی عیب لگایا کیونکہ یہ جملہ چیزیں سب کے نزدیک اچھی تھیں۔ اُن کی مخالفت اور دشمنی صرف توحید کے بیان کرنے میں اور شرک سے روکنے میں تھی۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ یہ جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے اور اکثریت اسی عقیدہ پر قائم ہے جس پر کہ ہم ہیں۔ فتنہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ شیطان کے لشکر ہم پر لا کھڑے کئے گئے اور بہتان تراشی شروع کر دی۔ ایسی ایسی باتیں کہیں کہ اگر کوئی عقلمند آدمی اُسے بیان کرے تو شرما جائے اُن چیزوں کے علاوہ جو آپ نے ذکر کی ہیں۔ اور بھی کئی قسم کے بہتان لگائے انہوں نے یہ بہتان بھی لگایا کہ میں سب لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہوں سوائے اُن کے کہ جو میری اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں اُن کے نکاحوں کو غیر صحیح کہتا ہوں۔ تعجب کی بات ہے کیا کسی عقلمند کے ذہن میں یہ چیز آتی ہے؟ کیا یہ کوئی مسلمان، کافر، عارف یا مجنون کہہ سکتا ہے اسی طرح وہ مجھ پر یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ اگر میرے اندر قدرت ہو تو میں قبۂ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو گرادوں۔ البتہ دلائل الخیرات کے متعلق جو انہوں نے مجھ پر اعتراض کیا ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ میں اُن لوگوں کو جو میری نصیحت قبول کرتے ہیں کہتا ہوں کہ کتاب اللہ سے بڑھ کر کسی اور کتاب کی تعظیم نہ کرو۔ کیوں کہ اُن کا عقیدہ ہے کہ دلائل الخیرات کا پڑھنا قرآن پاک کی تلاوت سے افضل ہے۔ البتہ اس کتاب کے جلانے اور حضورؐ پر کسی بھی صیغہ کے ساتھ درود نہ پڑھنے کے متعلق جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے سب بہتان ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ ہمارے متعلق توحید کے بیان کرنے اور شرک سے منع کرنے کے علاوہ بیان کیا گیا ہے سب جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ معاملہ اگرچہ دوسروں پر پوشیدہ ہے مگر آپ پر تو پوشید نہیں۔ اگر تمہارے شہر میں سے کوئی آدمی اگرچہ وہ سب سے زیادہ عزیز ترین ہی کیوں نہ ہو وہ اگر اس دعوت کو لے کر اٹھے اور لوگوں کو اخلاص فی العبادۃ کی دعوت دینے لگے اور قبروں والوں کے پکارنے سے منع کرے۔ تو آپ جانتے ہیں۔ کہ اُس کے دشمن اور حاسد اُس سے بھی زیادہ سخت اور اُس سے زیادہ تمیع رکھنے والے اُس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ اور اُس پر وہی الزام تراشی شروع ہو جائے گی جو آپ سُن رہے ہیں۔ وہ لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کر دیں گے اور کہیں گے کہ یہ بزرگوں کے مقام کو گراتے ہیں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی احترام و تعظیم سے اُن کو یاد کرتے ہوں۔ پھر آپ جانتے ہیں ایسے آدمی پر کیا کچھ گذرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر اس سے بھی زیادہ تکلیفیں ہوں تو لازماً اُن چیزوں پر ایمان لانا پڑے گا جن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے ہیں۔ اور ہمیں اس کی اس دین میں مدد کرنی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء اور اُمتوں سے عہد لیا۔ فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔ یعنی یاد کرو اُسوقت

کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اور دین و حکمت جو میں نے تم کو عطا کی ہے اگر اس کے بعد تمہارے پاس کوئی نبی اس کتاب کی تصدیق لے کر آئے جو کہ تمہارے پاس ہے تو اس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس پر ایمان لانا فرض کیا ہے تو پھر اس کا ترک کیسے جائز ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اپنے اور اپنے نبیؐ کے دین کی نصرت سے تجھے نوازے گا۔ اور یہ طاقت کے مطابق ہی ہے۔ اگرچہ دل سے یا دعا سے ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق تم اُس کو بجا لاؤ۔ ہاں اگر آپ میری یہ دعوت اُن لوگوں پر پیش کریں جن کے متعلق آپ کا ظن ہے کہ وہ قبول کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

سب سے تعجب خیز بات جو ان رؤسا سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے ان کو کتاب اللہ کی دعوت پیش کی اور بعض آیات کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پیش کئے تو فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ یعنی وہی لوگ ہیں جو کہ غیروں کو پکارتے ہیں اور اپنے رب کی طرف کو ذریعہ اور وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کونسا ذریعہ اُن کی نجات کے لئے قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی۔ یعنی ہم اُن کی عبادت اِس لئے نہیں کرتے۔ مگر یہ کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ اس قسم کی دوسری آیات جب اِن کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اور ہمارے جیسوں کے لئے اِن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے

اور نہ ہی حضورؐ کی کلام پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز ہے کیونکہ ہم اس کے سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے ہم تو متأخرین کی باتوں پر ہی عمل کریں گے۔

میں نے اُن کو کہا کہ میں ایک حنفی سے متأخرین کی کلام کے مطابق وہ حنفی ہوں یا مالکی یا شافعی یا حنبلی گفتگو کرتا ہوں اور انہی کی کتابوں میں سے دلائل پیش کرتا ہوں جن پر تمہارا اعتماد ہے مگر گفتگو پر تیار نہ ہوئے۔ جب انہوں نے اس سے بھی انکار کیا تو میں نے انہیں ہر مذہب میں سے دلائل پیش کئے اور اُن کا عقیدہ اُن کے سامنے پیش کیا اس کے باوجود بھی انہوں نے حق کی طرف رجوع نہ کیا۔ اور اس کے بعد جب ہم نے دعوت الی اللہ کا علم بلند کیا۔ اور قبروں کی پوجا اور نذر و نیاز سے انہیں منع کیا تو بدکنے لگے اور جب حق اُن پر واضح ہو گیا اور انہوں نے ان مسائل میں تحقیق بھی کر لی۔ تو پھر بھی حق کی طرف رجوع نہ کیا بلکہ اور زیادہ نفور پیدا ہوا۔ باقی رہا مسئلہ تکفیر کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اُن لوگوں کی تکفیر کی ہے۔ جو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور اُسے پہچاننے کے بعد بھی اُسے گالیاں دیتے ہیں اور لوگوں کو سیدھی راہ سے روکتے ہیں اور جو صحیح اسلام پر چلے اُس کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے فضل و کرم سے اکثریت اُمت کی ایسی نہیں۔ رہا معاملہ قتال کا کہ ہم مسلمانوں سے جنگ و قتال کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے کسی سے کوئی جنگ نہیں کی ہے۔ صرف اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی ہے۔ وہ بھی اس وقت جبکہ وہ خود چڑھائی کر کے ہمارے گھروں میں گھس آئے۔ البتہ بعض سے ہماری جنگ ہوگی وہ بھی صرف جوابی کاروائی کے لئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔ اُسی مقدار میں اور اسی طرح جو دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ حالانکہ انہوں

دین کو پہچان لیا ہے۔ ان سے بھی ہماری جنگ ہے۔ والسلام!

بعض سوالات کے جواب

بعض اوقات شیخ محمد بن عبدالوہابؒ سے بعض سوال پوچھے جاتے تھے جس کا جواب آپ بڑی وضاحت سے پیش کرتے تھے۔ یہاں شیخ کا ایک جواب نقل کیا جاتا ہے جو کہ ایک سوال کے متعلق آپ نے لکھا تھا۔ آپ سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے جس کلمہ کے متعلق تم نے سوال کیا ہے یہ وہ کلمہ ہے جو کہ کفر اور اسلام میں فرق ڈالنے والا ہے اور یہی کلمۂ تقوی ہے اور یہی عروۃ الوثقی ہے یعنی مضبوط رسی ہے جسے تھام کر اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ وہی کلمہ ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں باقی چھوڑا تھا تاکہ وہ اس پر قائم رہیں اس کلمے سے مراد صرف زبان سے ادا کرنا نہیں ہے کہ بغیر اس کا معنی سمجھے اس کی رٹ لگائی جائے کیونکہ زبان سے تو منافقین بھی کہتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کفار سے بھی نیچے جہنم کے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ وہ نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیتے تھے۔ ہاں تو مراد اس کلمہ سے یہ ہے کہ اسے زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے پہچانا جائے اور اس سے والہانہ محبت ہو اور جو اس کلمہ کو کہنے والے ہیں۔ اُن سے بھی محبت ہو۔ اور جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اُن سے بغض ہو اور دشمنی ہو۔ جیسا کہ حضورؐ کی کلام سے واضح ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے خلوص دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور ایک حدیث میں ہے جس نے دل سے اس کلمۂ کی تصدیق کی اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور جو اللہ کے سوا پکارے جاتے ہیں اُن کے ساتھ کفر کیا۔

اسی قسم کی اور کتنی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوا کہ مراد صرف زبان سے ادا کرنا نہیں بلکہ اخلاص اور عمل بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ اکثر لوگ اس شہادت سے جاہل ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کلمہ نفی اور اثبات پر مشتمل ہے۔ اللہ کے سوا تمام مخلوق سے الوہیت کی نفی ہے۔ چاہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں یا کوئی بڑے سے بڑا مقرب فرشتہ ہی کیوں نہ ہو چہ جائے کہ اولیاء اور صالحین میں یہ چیز تسلیم کی جائے پس جب آپ نے یہ چیز سمجھ لی تو اب اس الوہیت میں غور کرو جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی گئی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل اور ان کے علاوہ سب سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ کہ ان میں رائی کے دانے جتنی بھی کوئی چیز اس میں سے نہیں ہے۔ پس جان لو کہ یہی وہ الوہیت ہے جس کو عوام ہمارے زمانہ میں سِرّ اور ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اِلٰہ کا معنی ولی ہے جس میں کہ یہ سِرّ ہے اور اسی کو لوگ الفقیر یا الشیخ کہتے ہیں۔ اور عوام اس کو السید سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان سب کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض خواص مخلوق کو منزلہ عطا کیا ہے اور اللہ پسند کرتا ہے کہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور ان سے امیدیں بر لائیں۔ اور ان سے استغاثہ طلب کریں۔ اور ان کو اللہ اور اُن کے درمیان واسطہ بنائیں۔ پس ہمارے زمانے کے مشرک جو کچھ اُن کے متعلق گمان رکھتے ہیں کہ وہ واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ پہلے زمانے کے مشرک بھی اسی کو اِلٰہ اور واسطہ کہتے تھے۔ پس کسی انسان کے لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے سے مراد یہی ہے کہ اُس نے واسطوں کو ختم کر دیا۔ اگر آپ اس کی پوری حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو دو طرح سے معلوم ہو سکتی ہے۔ پہلا یہ کہ آپ جان لیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کفار سے جنگ کی ان کو قتل کیا اور اُن کے مال کو لوٹ لیا اور اُن کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ وہ اللہ تعالےٰ کے لئے توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے تھے وہ یہ کہ پیدا کرنا، رزق پہنچانا، زندہ کرنا،

مارنا اور تمام کاموں کی تدبیر کرنا اللہ کے سوا کسی اور کا کام نہیں ۔ یہ چیزیں اُسی کے لئے مخصوص ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے ۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۔ یعنی اے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ان سے پوچھو تمہیں زمین و آسمان سے رزق کون پہنچاتا ہے یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے ۔ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور کون ہے جو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور جملہ امور کی تدبیر کون کرتا ہے ۔ تو فوراً کہیں گے کہ اللہ ہی ہے جو یہ سب امور انجام دینے والا ہے ۔ یہ مسئلہ بڑا اہم اور عظیم الشان ہے آپ نے دیکھ لیا کہ کفار ان تمام چیزوں کی شہادت دیتے ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں ۔ اس کے باوجود اُن کا یہ عقیدہ اُن کو اسلام میں داخل نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اُن کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ صدقہ و خیرات بھی کرتے تھے اور حج و عمرہ بھی ادا کرتے تھے ۔ اور عبادت بھی کرتے تھے ۔ اور کتنی حرام چیزوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے ۔

دوسری چیز وہ ہے جس نے انہیں کافر بنایا اور ان کی جان و مال کو حلال کیا ۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے توحیدِ ربوبیت کے ساتھ توحیدِ الوہیت کی شہادت نہ دی ۔ توحیدِ الوہیت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارا جائے اور اپنی امیدیں کسی اور سے وابستہ نہ کی جائیں ۔ اس کے سوا کسی اور سے استغاثہ یا فریاد نہ طلب کی جائے ۔ اس کے سوا کسی اور کے نام پر نہ ذبح کیا جائے اور نہ ہی کوئی نذر و نیاز دی جائے ۔ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے فریاد طلب کی تو وہ کافر ہو گیا اور اس طرح جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ بھی کافر ہو گیا

اسی طرح جس نے غیر اللہ کی نذر و نیاز مانی وہ بھی اسلام سے نکل گیا بہر حال ہر وہ چیز جو اس کے لئے مخصوص ہے دوسرے کے نام پر کرنے سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جن مشرکین سے حضورؐ نے جنگ کی وہ صالحین جیسے کہ ملائکہ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کے علاوہ دوسرے اولیاء کو پکارتے تھے۔ پس وہ اسی بات پر کافر ٹھہرے باوجود اس کے کہ وہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہی خالق و رازق اور مدبر الامور ہے۔ اگر آپ نے یہ سمجھ لیا تو لا الہ الا اللہ کا معنی بھی سمجھ میں آگیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کسی نے نبی، ولی یا فرشتے کو پکارا اور اُن سے فریاد طلب کی تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ پس یہی وہ کفر ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قتال کیا۔ ہاں اگر کوئی مشرک یہ سوال کرے کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور مدبر الامور ہے۔ مگر یہ صالحین چونکہ اللہ کے مقربین میں سے ہیں اس لئے ہم ان کو پکارتے ہیں اور اُن کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان سے فریاد کرتے ہیں۔ اس سے ہم صرف شفاعت طلب کرتے ہیں ورنہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی مدبر الامور ہے اُس کو آپ یہ جواب دیں کہ جو دین تم نے اختیار کیا ہے یہ ابو جہل اور اُس جیسوں کا مذہب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو پکارتے تھے اور صرف شفاعت کے ہی طلبگار تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ یعنی وہ لوگ جو کہ اللہ کے سوا دوسرے اولیاء کو پکارتے ہیں کہتے ہیں ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی یہ لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع دے

سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ جب آپ پوری طرح غور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے لئے توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق رازق اور مدبر الامور ہے اس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ نبیوں ولیوں اور فرشتوں کو بھی پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے خدا کے پاس سفارشی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ کفار میں سے بالخصوص نصاریٰ ان میں ایسے بھی ہیں۔ جو کہ رات دن عبادت میں گذارتے ہیں اور بڑے زاہد بن کر بھی رہتے ہیں۔ جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے اس میں سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔ وہ لوگوں سے الگ ہو کر اپنے معبدوں میں عبادت میں مشغول رہتے ہیں اس کے باوجود وہ کافر ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔ یہ سب کچھ اُن کے اُس عقیدہ کی بنا پر ہے جو کچھ کہ وہ رکھتے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ کی نذر و نیاز دینا اور حضرت عیسیٰ سے فریاد طلب کرنا۔ اب تو آپ پر واضح ہو گیا کہ اسلام کیا چیز ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعوت دی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کتنے انسان اس بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حضورؐ کی حدیث بھی آپ پر واضح ہو گئی ہو گی جس میں حضور نے فرمایا کہ اسلام کی ابتداء غربت سے ہوئی اور آخر میں بھی یہ غریبوں میں سمٹ جائیگا جیساکہ شروع میں تھا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے بھائیو اصل دین کو مضبوطی سے پکڑ لو اول سے لے کر آخر تک اسی پر عمل کرو۔ اور اس دین کا ثمر لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس کے معنی کو سمجھو اور اس کلمہ سے والہانہ محبت کرو اور اس کلمہ والوں سے بھی محبت کا دم بھرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھو

چاہے ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔ طاغوت سے کفر و انکار کرو۔
اور اُن سے دشمنی اور بغض رکھو۔ اور جو اُن سے محبت رکھے اُن سے بھی بغض رکھو۔
اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمیں اُن سے کیا غرض وہ جو چاہیں کریں۔ یا یہ کہے کہ
اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا ہے تو اُس نے اللہ تعالیٰ پر کذب اور
افترا باندھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان چیزوں کا مکلف
بنایا ہے۔ اور اُن پر فرض کیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ کفر کریں اور ان سے بیزاری
کا اعلان کریں چاہے وہ ان کے بھائیوں اور اولادیں سے ہی کیوں نہ ہوں۔ خدارا
اس کو مضبوطی سے پکڑلو تاکہ تم اپنے رب کو ایسی حالت میں ملو کہ تم نے اُس کے
ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہو۔ یا اللہ تو ہمیں اسلام پر فوت کر اور ہمیں اپنے
صالحین بندوں سے ملادے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت پر اس مضمون
کو ختم کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ ہمارے زمانے کے مشرکین
کا کفر اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جن سے حضورؐ نے جنگ کی تھی۔ جیسا
کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ
إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا۔ یعنی جب
تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے سمندروں میں تو جن کو تم پکارتے تھے وہ تم سے دور
ہو جاتے ہیں اور اللہ ہی تمہاری پکار سنتا ہے۔ پھر جب تمہیں سلامتی کے ساتھ خشکی
پر لے آتا ہے تو تم اُس کی عبادت سے منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بہت ہی کفر کرنے
والا ہے۔ پس آپ نے سن لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق کیا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی
جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے سادات و مشائخ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ
کو خالص کر کے پکارتے ہیں اور اپنے سادات و مشائخ سے نہ ہی دعا مانگتے ہیں
اور نہ ہی فریاد کرتے ہیں۔ مگر جب مصیبت دور ہو جاتی ہے اور وہ راحت میں

ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ ہمارے زمانے کے مشرکین کو دیکھتے ہیں جن میں بعض ایسے بھی ہیں جن کو اہل علم میں سے ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ زُہد و اجتہاد اور عبادت میں بھی مشغول ہیں جب اُن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر اللہ کے سوا دوسروں سے فریاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارتے ہیں زید بن الخطاب حضرت زبیرؓ ان سے بھی آگے بڑھ کر آنحضورؐ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ واللہ المستعان

آلِ سعود

آلِ سعود اپنے جدِ اعلیٰ سعود بن محمد بن مقرن کی طرف منسوب ہیں۔ جو کہ قبائل ربیعہ کے ایک قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا پہلا وطن جزیرۂ عرب کے مشرقی ساحل کی جانب قطیف کے قریب واقع ہے۔ ان کا دادا (مانع) تقریباً ۸۵۰ ہجری میں درعیہ کی طرف اپنے وطن مالوف سے منتقل ہُوا۔ درعیہ کی تعمیر انہی کے ہاتھوں سے ہوئی اور وہی اُس کے رئیس ٹھہرے اس کے بعد درعیہ کی ریاست وارثتہً اُن کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔

سعود الاول

سعود الاول وہ پہلا شخص ہے جس نے درعیہ کے علاوہ گرد و نواح کے دیہات اور علاقوں پر اپنا تسلّط جمایا اور ایک مستقل اِمارت قائم کر دی۔ اُن کے بیٹے محمد بن سعود کی اَمارت میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کا اتصال اُن سے پیدا ہُوا۔ اور ان دونو شخصیتوں نے مل کر تعاہد کیا کہ کتاب و سنت کی نشر و اشاعت اور توحید کی تبلیغ میں اپنی جانیں قربان کریں۔ یہ صلہ اور رابطہ ایسا مضبوط ہُوا کہ

آلِ سعود کی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ اور شیخ کی دعوت کے اثرات آج تک وہاں زندہ جاوید ہیں۔

آل سعود کی تاریخ کے تین دور

آل سعود کی تاریخ تین دوروں میں منقسم ہے۔ پہلا دور امیر محمد بن سعود کی امارت کا ہے جب کہ یہ شیخ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔ اور یہ ۱۱۵۸ ہجری کا ذکر ہے۔ یہ دور عبداللہ بن سعود کے آخری دور تک ختم ہو جاتا ہے اور یہ ۱۲۳۳ ہجری کا ذکر ہے۔ اس کے بعد محمد علی پاشا مصری کا دور آ جاتا ہے۔ مصری فوجیں نجد پر قابض ہو جاتی ہیں۔

آلِ سعود کا دوسرا دور

دوسرا دور امیر ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود کا ہے جبکہ وہ ۱۲۳۵ ہجری میں پھر دوبارہ نجد پر قابض ہو جاتا ہے اور مصری فوجیں نجد کو خالی کر جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ فیصل بن ترکی تک چلتا ہے جو کہ ۱۲۸۲ ہجری میں ختم ہوتا ہے۔ اور اُس کے بعد ابنائے فیصل اور آلِ رشید کا دور شروع ہوتا ہے جو کہ ۱۳۱۸ھ میں ختم ہو جاتا ہے۔

آلِ سعود کا تیسرا دور

تیسرا دور ملک عبدالعزیز کا ہے جو کہ ۱۳۱۹ ہجری سے شروع ہوتا ہے اور وہ آج تک قائم ہے۔

آئندہ چل کر انہی تین دوروں کے متعلق بیان ہو گا۔ قارئین محسوس کریں گے

کہ اگرچہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اُن میں موجود نہیں ہیں مگر ہر جگہ انہی کی روح کام کر رہی ہے۔ جہاد کی غرض و غایت وہی ہے جو پہلے دن سے طے کر لی گئی تھی۔ حقیقت میں یہ جہاد فی سبیل اللہ کے تین دور ہیں۔ جس میں آپ سعودی مجاہدین کے کارناموں سے روشناس ہوں گے اور اُن کی دینی رُوح کا اندازہ ہو گا۔

محمد بن سعود ۱۱۳۹ھ تا ۱۱۷۹ھ ہجری

محمد بن سعود ۱۱۳۹ ہجری میں درعیہ کی امارت پر فائض ہوئے۔ خیر و خوبی اِن کی فطرت میں اللہ کی جانب سے ودیعت تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ اپنی رعیت میں بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ جب شیخ محمد بن عبدالوہاب عیلنہ سے ہجرت کر کے درعیہ پہنچے تو امیر محمد بن سعود نے اُن کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور پورے ایمان کے ساتھ اِس دعوت کو نشر کرنے کا معاہدہ کیا۔ باوجود مشکلات اور مصائب کے اپنے وعدے پر قائم رہے۔ نشرِ دعوت اور توحید پھیلانے کے لئے انہوں نے تلوار اٹھائی۔ جب انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جو کہ حقیقت میں توحید کے دشمن تھے۔ درعیہ والوں سے اور اُن لوگوں سے جو کہ شیخ کی دعوت پر ایمان لے آتے تھے اور اپنا ایمان بچانے کے لئے ہجرت کر کے درعیہ آ رہے تھے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ شاگردانِ شیخ کو بھی اِس میدان میں جہاد کا موقع ملا وہ بھی مجاہدین کی فوج میں صف آراء ہوئے علمی اور عملی قوتوں کو راہِ حق میں قربان کیا۔ امیر محمد خود ان فوجوں کی قیادت کرتے تھے اور کبھی کبھی اُن کے بیٹے عبدالعزیز اُن کے نائب بن کر فوجوں کی قیادت کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کو انہوں نے اپنا ولی عہد مقرر کر لیا تھا۔

یہ ایک بجلی کی سی حرکت تھی جس نے عرب اور نجد کی سرزمین کو ہلا دیا۔ اکثر معارک میں وہ کامیاب ہوتے رہے۔ فتح و نصرت اُن کے قدم چوم رہی تھی۔ اس حرکت نے اہلِ شر اور فساد کو غضبناک کر دیا۔ وہ بھی قوت جمع کرنے لگے ایک بہت بڑی فوج درعیہ کے باہر لا کھڑی کی گئی اور درعیہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ یہ ایسا شدید محاصرہ تھا کہ نجد کی سرزمین نے کبھی ایسا نہ سنا تھا اور نہ دیکھا تھا۔ درعیہ کے اندر مسلمان مہاجرین و انصار شیخ اور آپ کے اعوان بہت پریشانی کے عالم میں تھے۔ بہت بڑی آزمائش ہوئی اور خوب ہلائے گئے۔ مگر ایمان کی قوت اور روحانی طاقت نے اُن کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دشمن پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔ عزت و تمکین ان کے ہاتھ رہی۔ دو چیزیں اُن کے پیشِ نظر تھیں اللہ کی راہ میں شہادت اور جنت یا فتح و نصرت اور غنیمت۔

شیخ کی دعوتِ حق کے تین بڑے دشمن

سرزمین نجد کے امراء میں سے تین شخص ایسے تھے جو کہ شیخ کی دعوت کے بہت بڑے دشمن تھے۔ پہلا دشمن محمد بن سعود تھا جو کہ شیخ پر ایمان لے آیا اور دعوت میں آپ کا ساتھی بنا۔ شیخ سے دعوتِ حق پھیلانے کے لئے عہد و پیمان کیا اور مخالفین دعوت سے بقیہ زندگی برسرِ پیکار رہا اور جان اِسی راہ میں قربان کر دی۔

دوسرا دشمن عثمان بن معمر تھا جو کہ عیینہ کا امیر تھا۔ پہلے تو دعوت پر لبیک کہا اور بعد میں شیخ کو چھوڑ دیا اور اُسے اپنے ملک سے باہر نکال دیا مفصل قصّہ پہلے گذر چکا ہے۔ اِس کے بعد جب اُسے شیخ کی دعوت پروان چڑھتے نظر آئی تو کوشش کی کہ شیخ کو پھر دوبارہ عیینہ واپس لے آئے۔ جب شیخ نے

واپسی سے انکار کر دیا تو اُس نے شیخ کی نصرت اور مدد کا اعلان کر دیا۔ شیخ کی طاعت میں شامل ہو کر امیر محمدؒ بن سعود سے بھی وفاداری کا معاہدہ کیا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد پھر جوش آیا اور معاہدہ کو توڑ کر شیخ کا دشمن بن گیا۔ اُس کی اپنی رعیت میں سے شیخ کے بعض حواریوں نے اُسے قتل کر دیا۔

تیسرا دشمن دھام بن دواس تھا جو کہ ریاض کا امیر تھا۔ وہ اول سے لے کر آخر تک شیخ کی دعوت کا بدترین دشمن رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مقام پر وہ آلِ سعود اور توحید پرستوں کے لشکروں کے سامنے برسرِ پیکار رہا۔ ربع صدی سے بھی زیادہ حصّہ وہ جنگ وجدال میں مبتلا رہا۔ اکثر معرکوں میں شکستِ فاش اٹھائی اور بعض مقامات پر فتح بھی حاصل کی۔

اُس نے اپنے گرد و نواح کے اُمراء سے اتحاد پیدا کیا۔ اور انہیں شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ سب نے مل کر شیخ اور اُس کی دعوت کے خلاف دل کھول کر زور لگایا۔ مگر مجاہدین اور اہلِ توحید کے قدم نہ ڈگمگائے۔ آخر کار وہ مایوس ہُوا۔ تعب و مشقت نے اُسے چُور چُور کر ڈالا تھا۔ خوف اُس پر طاری تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ریاض چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ چنانچہ ۱۱۸۷ھ ہجری میں سعودی اور توحید پرست امیر عبدالعزیز بن محمد کی قیادت میں بغیر لڑائی اور جنگ کے شہر ریاض پر قابض ہو گئے۔

امیر محمد بن سعود کی وفات

امیر محمد بن سعود ۱۱۸۹ھ میں اِس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ یہ وہ بطلِ عظیم ہے جس نے بیس سال کی زندگی مسلسل جہاد میں گذاری دعوتِ حق کی نشر و اشاعت کے لئے ہر متاع کو قربان کیا۔ چنانچہ درعیہ

عینہ - جبیلہ - حریملا - منفوحہ - حائر - خرج اور زلفی کے تمام شہروں پر قبضہ کر کے پھر سے ان میں توحید کا بیج بویا اور ان مناطق میں اپنی دعوت کے مراکز قائم کئے جن پر کہ وہ پوری طرح اپنا تسلط اور قبضہ جما چکا تھا۔ سعودی حکومت کا یہ پہلا مؤسس ہے جس نے اپنے بعد میں آنے والے خلفاء کے لئے راستہ ہموار کیا۔

عبدالعزیز بن محمد بن سعود ۱۱۷۹ھ سے ۱۲۱۸ ہجری

امیر محمد بن سعود کی وفات کے بعد اُن کا بیٹا عبدالعزیز بن محمد بن سعود منصب امارت پر جلوہ فروز ہوا۔ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا شروع کیا۔ اور شیخ کے معاہدے کا پوری طرح سے پابند رہا۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اسلامی دعوت کی نشر و اشاعت اس کا فرض اولیں رہا۔ اصلاحی پروگراموں میں پیش پیش رہے۔ بہت ہی مستقل مزاج۔ عادل اور دین میں پختہ کار تھا۔ اِس کے مبارک عہد میں سعودی حکومت کی جڑیں اور بھی زیادہ مضبوط ہوئیں۔ اور ایک مستقل حکومت قرار پائی گرد و نواح کی اُمارتوں سے برسر پیکار رہا جنہوں نے دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا تھا۔ آپ کی مشہور جنگیں حسب ذیل ہیں۔

فتح ریاض

(۱) ریاض ۱۱۸۷ھ میں فتح کیا گیا۔ جب کہ اس کا امیر دھام بن دواس مجبور ہو کر ریاض سے نکل بھاگا تھا۔ عبدالعزیز نے امارت سنبھالتے ہی پے در پے اتنے زور دار حملے کئے کہ ریاض کی بنیادیں ہل گئیں۔ اہل ریاض کے دلوں میں خوف و رعب طاری ہو گیا۔ چنانچہ دھام خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا اور چلتے

ہوئے یہ اعلان کیا کہ میں نے سالہا سال ابن سعود سے جنگ کی اور اب میں اُس سے جنگ کرنے سے اکتا گیا ہوں جب اُسے معلوم ہُوا کہ سعودی لشکر اُس کے قتل کے درپے ہے بھاگ نکلا اور اعلان کیا کہ جو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آجائے یہ اعلان سن کر اُس کی رعایا کے بے شمار آدمی اُس کے پیچھے نکلے جنوب کی جانب اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ دیا۔ اُن میں سے اکثر لوگ ریگستان میں ہلاک ہوئے۔ بھوک اور پیاس اور گرمی کی شدت نے انہیں تباہ کر دیا کیونکہ وہ عین گرمی کے موسم میں وہاں سے نکلے تھے۔ اور نکلے بھی خوف و ہراس کی حالت میں اپنے ساتھ کچھ لے بھی نہیں سکے تھے۔ بغیر استعداد کے نکل کھڑے ہوئے۔ عبد العزیز بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ریاض آل سعود کی حکومت کا مرکز رہا ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اصلاحات کے لئے قدم بڑھایا۔ بدعات و خرافات کا قلع قمع کیا۔ خالص توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا مسجدوں میں شیخ کی کتابوں اور رسالوں کی تعلیم ہونے لگی۔ قرآن و سنت کے درس قائم ہوئے۔ وہاں کے لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور اُن کے دل توحید و اخلاص سے معمور ہو گئے۔ ریاض کی سرزمین آج بھی اسلامی تعلیم سے معمور اور کتاب و سنت کی درس تدریس کا ایک عظیم الشان مرکز ہے۔ سینکڑوں اور ہزاروں طالبانِ حق یہاں کے مدارس اور یونیورسٹیوں میں توحید و سنت کی خالص تعلیم حاصل کرنے کے لئے جمع ہیں۔ شہر اسلام کا ایک مظہر ہے صحیح معنوں میں اس کو ایک اسلامی بستی کہنا چاہیے جو کہ ہر قسم کے شر و فساد سے پاک ہے اور علم کا ایک گہوارہ ہے۔ ہم نے خود مشاہدہ کیا جبکہ وہاں کی اسلامی یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے کہ نماز کے وقت

سارے بازار بند اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر مسجدوں میں سمٹ گیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کا دورہ بھی کیا مگر جو بات نجد میں اسلامی روایات قائم کئے ہوئے ہے کہیں نظر نہ آئی۔ پولیس کے سپاہی لوگوں کو نماز کی دعوت دینے میں مصروف ہوں یہ کہاں مل سکتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ کسی مردِ مجاہد کو پیدا کرے جو کم از کم تمام اسلامی ممالک میں یہ رنگ پیدا کر دے آمین ثم آمین۔

(۲) فتح قصیم ۱۱۸۹ھ ہجری

امیر عبد العزیز کو جب اللہ تعالیٰ نے ریاض کی فتح نصیب فرمائی تو دو سال اُس کی اصلاح میں صرف کر دئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مجاہدین کے لشکر کو شمالی جانب حرکت دی۔ آپ کا ارادہ قصیم کا تھا جو کہ بہت بڑا زرخیز علاقہ تھا آپ نے بڑی کامیابی سے بریدہ کو فتح کیا جو کہ قصیم کے بہت بڑے شہروں میں سے تھا اس کے بعد آپ کا قصیم کے علاقہ پر پورا تسلط ہو گیا۔ فتح حاصل کرتے ہی توحید و سنت کی نشر و اشاعت کے لئے قدم بڑھایا اور پورے منطقہ میں قرآن و سنت کی تعلیم جاری کر دی۔ اور اس طرح سے شجرِ توحید کی آبیاری کی۔ اسی دعوت کا نتیجہ ہے کہ وہ تمام کے تمام عبد العزیز کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اور آج بھی بریدہ کا علاقہ توحید کا مرکز ہے۔ اُس علاقے کی تمام بستیاں صحابہؓ کی بستیاں معلوم ہوتی ہیں ہر طرف خیر و برکت نظر آتی ہے بڑا پُر امن علاقہ ہے جس میں کسی قسم کا کوئی فساد اور خرافات موجود نہیں۔ اسلامی تعلیم آج بھی گھر گھر میں رائج ہے۔

(۳) فتح احساء

۱۲۰۸ ہجری میں دعوت حقہ کے لشکروں نے احساء پر چڑھائی کی اور اسے

فتح کر لیا۔ بنی خالد کے ہاتھوں سے احسأ کی امارت چھن گئی اور آلِ سعود نے اُس پر اپنا پورا تسلط جما لیا۔ دینِ حق کی نشر و اشاعت میں کوشش ہونے لگی اور یہی اُن کا اصلی مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ایسا ہُوا کہ مجاہدین کے لشکروں نے تمام ملک کو بھی اسلامی تعلیم سے مالامال کر دیا۔

(۴) عراق پر حملہ

احساء کے فتح ہونے کے بعد جب وہاں دعوتِ حق پھیلنے لگی اس پر عثمانی اتراک بہت برافروختہ ہوئے۔ چنانچہ وہ سعودیوں کے خلاف بھڑک اٹھے سلمان پاشا ترکی جو کہ بغداد کا والی تھا اُس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ۱۲۱۳ھ میں احساء کی طرف روانہ کیا تاکہ احسأ کو سعودیوں کے قبضہ سے نکالا جائے اور نجد میں اُن کی دعوت کا خاتمہ کیا جائے۔ اس لشکر کو دیکھ کر بعض قبائل جو ابھی تک شیخ کی دعوت کے مخالف تھے ان میں شریک ہو گئے۔ بنو خالد، مطیر۔ الظفیر، اہلِ بصرہ اور زبیر والے سب اس لشکر میں شامل تھے فوج کی قیادت علی کتخدا اور تو ینی سعدون کے سپرد تھی۔ انہوں نے آتے ہی احسأ کے شہروں کا محاصرہ کر لیا اور فتح کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُن کو بہت زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ جب محاصرہ کئے مدت گذر گئی تو ترکی لشکر مجبور ہو کر واپس لوٹا۔ عبد العزیز نے اپنے بیٹے سعود بن عبد العزیز کی قیادت میں ایک فوج جمع کر رکھی تھی۔ موقع پاتے ہی سعود بن عبد العزیز اُن پر ٹوٹ پڑے بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ترکی فوج پہلے اُکتا چکی تھی اور اُن کے پاؤں طویل محاصرہ سے اکھڑ چکے تھے۔ تاج اور حضر کے دو مشہور حملے ان کی کمر توڑ چکے تھے سعود بن عبد العزیز کو اُن پر بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ کٹی ہوئی اور شکست خوردہ فوج عراق واپس

لوٹی۔ سعودیوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا موقع تھا انہوں نے ۱۲۱۴ھ ہجری کو سعود بن عبد العزیز کی قیادت میں مجاہدین کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور عراق پر حملہ کر دیا۔ عراق کے جنوبی علاقہ میں مجاہدین کی فوجیں داخل ہوئیں۔ زبیر بصرہ اور کربلا کو فتح کیا اور کربلا میں حضرت حسینؓ کے قبہ کو گرا کر زمین کے ساتھ پیوست کیا۔ یہ ایک بہت بڑا شرک کا اڈا تھا جہاں اللہ کو چھوڑ کر حضرت حسینؓ کو پکارا جاتا تھا۔ اور اُس کے نام کی نذر نیاز چڑھائی جاتی تھی۔ اس اڈے کو ختم کیا۔ بیشمار مالِ غنیمت مجاہدین کے ہاتھ لگا۔ وہاں سے نجف کا رخ کیا۔ جب مجاہدین کی فوجیں نجف کی طرف بڑھ رہی تھیں جہاں کہ حضرت علیؑ کا مشہد ہے۔ تو بہت بڑے سیلاب نے اُن کا راستہ روک دیا۔ اور وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ آخر وہاں سے واپس لوٹ آئے۔

اشرافِ حجاز کے خلاف جنگ

حجاز مقدس میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کو بڑے غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا تھا اور اس کے خلاف بہت کچھ غلط قسم کا پراپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ ترکیہ کی سیاسی اغراض اس میں کام کر رہی تھی۔ شریف غالب نائب ترکیہ اس کو ہوا دے رہا تھا در حقیقت وہ خود بھی خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ سعودی ہر جگہ کامیاب ہو رہے ہیں وقت آنے والا ہے کہ وہ حجاز میں بھی گھس آئیں گے اور ترکی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے نجدیوں کو حج سے بھی منع کر دیا تھا۔ کیونکہ نجدیوں کا اجتماع حج کے موسم میں اُن کے پول کو کھول دیتا تھا۔ وہ حاجیوں سے کہہ سکتے تھے کہ اصل بات دعوت الی اللہ ہے مگر ہمارے خلاف غلط قسم کا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ ترکی حکومت ڈرتی تھی کہ اُن کے آنے

سے عام مسلمان اور حاجی اصل بات سے آشنا ہوجائیں گے۔ اس طرح سے ان کی ذاتی اغراض کا خون ہوتا تھا۔ شریف غالب نے اسی بات پر اکتفا نہ کیا بلکہ تلوار لے کر نجدیوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہوگیا۔ اس ڈر سے کہ کہیں نجدیوں کی دعوت حجاز میں بھی نہ پھیل جائے۔

شریف غالب کا قصیم پر حملہ اور شکست

چنانچہ ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ۱۲۰۵ھ ہجری میں قصیم کی طرف روانہ کیا مگر بہت بری طرح شکست کھائی اور ہزیمت خوردہ ہو کر واپس لوٹے۔

دوبارہ حملہ اور شکست

دوسری دفعہ پھر ۱۲۱۲ھ ہجری میں لشکر تیار کیا اور حجازی حدود کے قریب نجدی قری پر حملہ آور ہوئے۔ ربیۃ اثربہ اور خرمہ پر حملہ کیا مگر خرمہ کے مقام پر شکست فاش کھا کر واپس لوٹے اور نجدیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے لئے مجبور ہو گئے

نجدیوں سے معاہدہ اور غداری اور فتح حجاز

نجدیوں کو حج کی اجازت دی گئی۔ یہ معاہدہ ۱۲۱۳ھ ہجری میں کیا گیا۔ دوسری دفعہ پھر شریف غالب نے عہد کو توڑ دیا اور نجدی حجاج کو حج سے منع کر دیا گیا۔ یہی سبب بنا کر سعود بن عبد العزیز نے حجاز کو فتح کر لیا۔

ولی عہد کی تقرری

۱۲۰۲ھ ہجری میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نے تمام اہل نجد اور دیگر بلدان والوں

کو حکم صادر فرمایا کہ وہ امیر سعود بن عبد العزیز کو ولی عہد کے عہدہ کے لئے انتخاب کریں اور ولایت عہد کی بیعت اُس کے ہاتھ پر کریں۔ تمام لوگوں نے سعود بن عبد العزیز کے ہاتھ بیعت کی اور اقرار کیا کہ باپ کے بعد امارت کا مستحق یہی ہوگا۔ اس اعتبار سے سعود بن عبد العزیز آل سعود میں سے پہلا ولی عہد ہے جس کے ہاتھ پر رسمی طور پر بیعت کی گئی۔ شیخ کی نظر انتخاب اور سیاسی شعور کی ایک عدیم المثال رائے تھی جس نے بعد میں ثابت کیا کہ سعود بن عبد العزیز ہی اس کا اہل تھا اور وہی اس کے لائق اور قابل تھا۔

امیر عبد العزیز کی وفات

اللہ تعالیٰ نے امیر عبد العزیز بن محمد کے لئے شہادت لکھ رکھی تھی۔ عثمان نامی ایک شیعی شخص عراق سے درعیہ پہنچا۔ عراقی شیعوں کے دل جل رہے تھے وہ اُس وقت کا انتظار کر رہے تھے جبکہ وہ امیر عبد العزیز بن محمد کو شہید کر کے اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں۔ کیونکہ انہوں نے کربلا پر چڑھائی کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قبہ کو گرا دیا تھا۔ امیر عبد العزیز طریف کی مسجد میں عصر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ جب وہ مسجد سے باہر نکلے تو ایک عثمان نامی شخص اُن پر کود پڑا اور کتنے خنجر کے زخم کاری لگائے۔ اُسی وقت امیر عبد اللہ بن محمد نے جو کہ امیر عبد العزیز کے بھائی تھے اپنی تلوار سے اُس ظالم کا سر قلم کر دیا۔ امیر عبد العزیز کو اُن کے محل میں لایا گیا۔ زخم بہت گہرے آچکے تھے چنانچہ ۱۸ رجب ۱۲۱۸ سنہ ہجری میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی یہ وہ بطل عظیم ہے جس نے چھیاسی سال اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ میں گذارے اس چھیاسی سال کی زندگی میں چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ پورا جہاد میں گذرا بعض اوقات ایک سال میں چھ چھ جنگیں لڑیں گئیں۔ کبھی

ربع الخالی میں کسی دن قصیم میں اور کوئی دن احسا میں۔ کبھی عراق میں داخل ہو رہے ہیں اور کبھی وادی دوسرا میں۔ گویا کہ وہ ایک بادل ہے جو اپنے اندر ابرِ باراں اور سموم کے خزانے سموئے ہوئے ہے۔ وہ موحدین کے لئے ابرِ باراں تھا اور توحید کے دشمنوں کے لئے سموم تھا۔ بے شمار مالِ غنیمت درعیہ میں لاتا۔ جو کہ مرد و عورت میں برابر تقسیم ہوتا تھا۔ درعیہ سے بڑھ کر سارے عرب میں کوئی شہر اتنا غنی نہ تھا جتنا وہ شہر تھا۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ کی پوری تفسیر نظر آ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانے درعیہ والوں کے لئے کھول دئے تھے۔

امیر سعود بن عبد العزیز

عبد العزیز بن محمد بن سعود کی شہادت کے بعد ۱۲۱۸ھ ہجری میں اُن کا بیٹا سعود بن عبد العزیز منصب امارت پر جلوہ فروز ہوا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے اندر امارت سنبھالنے کی پوری صلاحیتیں رکھتا تھا۔ اپنے باپ کی زندگی میں ہی مجاہدین کے لشکروں کی قیادت کرتا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ بہت زبردست عالم تھا۔ توحید، تفسیر، حدیث اور تاریخ کے جملہ فنون میں مہارت تامہ تھی۔ درعیہ میں ابتدا ہی سے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا اور آپ کے خاص شاگردوں میں سے ان کا شمار ہوتا تھا۔ بہت بڑا سخی اور صدقات و خیرات کے ادا کرنے میں سب سے پیش پیش تھا۔ اِن تمام اوصاف کے ہوتے ہوئے اَمن بحال رکھنے کے سلسلہ میں بہت شدید تھا۔ جرائم کی تمام ذمہ داری جو کسی جگہ بھی رونما ہوتے تھے مختلف قبائل کے شیوخ پر ڈالتا تھا۔ علاقہ مطیر کے بعض شیوخ کو

جیل میں قتل کیا جب کہ وہ مطیر کے بڑے لوگوں کی غلط قسم کی سفارش لے کر آتے تھے جو کہ بڑے بڑے جرائم کے مرتکب تھے۔ اس طرح اُن کی شوکت کو ختم کر دیا۔ خالص توحید اور دین اسلام کی شوکت اُن کے دلوں میں پیدا کی

امیر سعود کے عہد میں جنگی کارنامے

(فتح حجاز) سلیمان پاشا والیٔ عراق کی طرف سے شریف غالب بھی شیخ کی دعوت اور آل سعود کا بدترین دشمن تھا اس کی انتہائی کوشش تھی کہ کسی طرح نجد پر قبضہ جما کہ شیخ کی دعوت کا قلع قمع کر دیا جائے۔ مگر وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شریف غالب اور آل سعود کے تعلقات آپس میں بہت زیادہ بگڑ چکے تھے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسی حسد اور عداوت کی وجہ سے شریف غالب نے نجدیوں کا حج بند کر دیا تھا۔ اسی بنا پر سعودیوں نے علم جہاد بلند کیا کہ اُن کو فریضۂ حج سے منع کیا گیا ہے۔ اس طرح انہیں اسلام کے ایک بہت بڑے رکن سے روکا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جہاد اُن پر واجب تھا۔ چنانچہ امیر سعود بن عبد العزیزؒ نے اس فتح و کامرانی کے لئے مجاہدین کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور حجازِ مقدس کے فتح کی تیاری کی۔ یہ واقعہ امیر عبد العزیزؒ کی زندگی میں ہی رونما ہوا تھا جبکہ وہ قیادت بیٹے کے سپرد کر کے خود بڑھاپے کی وجہ سے عبادت میں مشغول ہو چکے تھے۔ اور یہ اُن کی زندگی کے آخری ایام تھے۔

امیر سعود نے مجاہدین کی فوجیں سیل کے مقام پر لا ڈالیں یہ مقام نجد والوں کی میقات ہے اور طائف کے بالکل قریب ہے پہاڑوں کے درمیان ایک ریتیلی وادی ہے مکہ یہاں سے کوئی تیس چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۲۱۷ ہجری کا موسم حج شروع ہو چکا تھا۔ یہاں مجاہدین کے لشکر اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ لوگ حج کر کے واپس اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ جائیں تاکہ حجاج کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور اس مبارک فریضہ کی ادائیگی میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔ جب حج ختم ہوا اور لوگ مکہ چھوڑ کر اپنے اپنے ملکوں کو سفر کر گئے۔ مجاہدین کے لشکر نے امیر سعود بن عبد العزیز کی قیادت میں مکہ کا رخ کیا۔ شریف غالب مقابلہ اور دفاع کی تاب نہ لا سکا۔ وہاں سے بھاگ نکلا اور جدہ میں پناہ لی۔ امیر سعود اور مجاہدین کا لشکر عمرہ کا احرام باندھ کر ۱۲۱۸ ہجری کے اوائل میں مکہ مکرمہ داخل ہوئے۔ عمرہ کے احکام بجالانے کے بعد دعوتِ اسلامی کی عملی تطبیق شروع ہوئی۔ تمام قبوں کو جو مختلف قبروں پہ بنائے گئے تھے گرا کر ہموار کر دیا لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کا اعلان کیا۔ شہر کے جملہ امور کی تنظیم کی۔ اور امارت شریف عبد المعین بن مساعد کے سپرد کی۔ اور خود نجد کو واپس لوٹ آئے

امیر سعود کا سلیم پاشا کے نام خط!

مکہ فتح کرنے کے بعد امیر سعود نے سلطان سلیم الثالث کو ایک خط لکھا جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔ یہ خط سعود سے سلیم کی طرف لکھا گیا ہے۔ میں محرم کی چار تاریخ کو فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ داخل ہوا ہوں۔ اہل مکہ کی جان و مال کی حفاظت کا اعلان کر چکا ہوں۔ اُن مختلف قبوں کو گرا چکا ہوں جو کہ بت پرستی کی ایک یاد تھی۔ تمام ٹیکس مکہ والوں سے معاف کر دئے ہیں۔ ہاں وہ ضروری ٹیکس جس کی اسلام اجازت دیتا ہے وہ باقی رہنے دیئے ہیں۔ اُسی قاضی کو امیر مقرر کیا ہے جس کو آپ نے شرعی طور پہ امیر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس لئے اب آپ کے لئے ضروری ہے۔ کہ والی دمشق اور والی قاہرہ کو روک دیں کہ آئندہ حرمین کی مقدس سرزمین میں محمل نہ

لایا جائے اور اُس کے ساتھ جو ڈھول باجے بھیجے جاتے تھے اُن کو روک دیا جائے یہ تمام امور شریعت اسلامیہ اور دین کے خلاف ہیں۔

شریف غالب کا مکہ پر دوبارہ قبضہ

امیر سعود کے واپس لوٹ آنے کے بعد شریف غالب نے جدہ سے دوبارہ اپنی فوج کو ترتیب دی اور مکہ پر حملہ آور ہوا۔ سعودی فوج چونکہ بہت کم تھی۔ اُس لئے وہ اِن پر غالب آیا اور دوبارہ مکہ پر قبضہ جما لیا۔

سعودیوں کا مکہ پر دوبارہ قبضہ اور مدن حجاز کی فتوحات

امیر سعود پھر دوبارہ مکہ لوٹا اور مکہ کو شریف غالب سے واپس لیا۔ پھر اُسی کو اپنی طرف سے امیر مقرر کر دیا۔ جبکہ اُس نے امیر سعود سے عہد کیا کہ وہ شیخ کی دعوت کے مطابق احکام نافذ کرے گا اور کتاب و سنت کی تعلیم و ترویج ہو گی۔ اس کے بعد مجاہدین کا لشکر مدینہ میں داخل ہوا وہاں اصلاحات کیں دعوتِ توحید کو ہی اصل مقام دیا۔ جس شہر میں بھی داخل ہوتے تھے اسلامی تعلیم کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ عسیر اور یمن سے ہوتے ہوئے پورا تہامہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس دوران میں بڑے بڑے قبائل نے جو کہ بڑے جنگجو بھی تھے امیر سعود کے ہاتھ پر بیعت کی اور نجران کے عربوں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کی دعوت کو قبول کر کے بیعت کی یہ وہ وقت ہے جبکہ پورا حجاز سعودیوں کی حکومت میں آ چکا تھا۔ اب حجازی حکومت عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل کر سعودیوں کے قبضہ میں آ گئی تھی۔ اور یہ سلسلہ ۱۲۲۰ھ سے ۱۲۲۸ھ تک باقی رہا۔

جنوبی اور شمالی قبائل کا دعوت قبول کرنا

یہاں سے امیر سعود نے پھر علمِ جہاد بلند کیا اور شمال سے جنوب کی جانب رخ کیا نجد کے جنوب کی جانب جتنے بھی جنگجو قبائل تھے امیر سعود نے اُن کو اپنی دعوت کے سامنے جھکا لیا۔ نجران اور رجیزان آپ کی اطاعت میں داخل ہو گئے۔ یمن کے علاقوں میں سے زبید، حدیدہ اور بیت الفقیہ آپ کے قبضہ میں آئے۔ نجد کے شمالی جانب رخ کیا اور حدود عراق تک پہنچ گئے ادھر بادیۂ شام سے لے کر بنزا اور جوف تک پہنچ گئے۔ یہ آل سعود کا پہلا دور ہے جس میں مملکتِ سعودی کو اتنی لمبی چوڑی وسعت ملی۔

عثمانیوں اور سعودیوں کا آپس میں اختلاف اور بگاڑ

عثمانی اتراک، روز اول سے ہی سعودیوں کے دشمن تھے وہ اُن کو اور اُن کی دعوت کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے کئی بار بغداد دمشق اور مکہ سے بڑے بڑے حملے کئے مگر ہر بار انہیں شکست کھانی پڑی اور پسپا ہو کر واپس لوٹے۔ جب پورا حجاز سعودیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ شامی اور مصری حجاج کی آمد بھی بند ہو گئی تو اختلاف کی خلیج اور بھی وسیع تر ہو گئی۔ اب کے عثمانی حکومت نے تہیہ کر لیا کہ جو کچھ بھی ہو سعودی حکومت کو ختم کیا جائے۔ حرمین کی سرزمین کو اپنے قبضہ میں لے کر شامیوں اور مصریوں کے لئے حج کا راستہ ہموار کیا جائے۔

عثمانی سلطان نے یہ بوجھ محمد علی پاشا پر ڈالا کیونکہ وہ عثمانی حکومت کی طرف سے مصر کا والی تھا۔ عثمانی سلطان کو اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ کونسا فریق غالب آتا

ہے بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں قوتیں کمزور ہو جائیں۔ کیونکہ وہ محمد علی سے خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے اثرات پھیل رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خود مختار ہو کر بیٹھ جائے۔ اُدھر وہ سعودیوں کی وسعت کو بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔

محمد علی اور سعودیوں کے درمیان جنگ

۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے عثمانی سلطان کی دعوت پر لبیک کہا اور آٹھ ہزار کا ایک جنگی بیڑا تیار کر کے نہر سویز سے اپنے بیٹے طوسون کی قیادت میں ینبوع کی طرف روانہ کیا طوسون جو کہ سترہ سال کی عمر کا نوجوان تھا۔ بڑے بڑے یورپی جرنیلوں کو ساتھ لے کر ینبوع پر خیمہ زن ہوا۔ بری اور بحری فوج کو جمع کیا۔ یہ فوج بہت بڑا بھاری اسلحہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ نجدیوں کو اس کی خبر ہوئی انہوں نے بھی مقابلہ کی پوری تیاری کی۔ اُن میں سے بھی آٹھ ہزار مجاہدین امیر سعود کے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں صف آرا ہوئے انہوں نے خیف کے مقام پر جو کہ وادی صفرا میں مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے ہجوم کیا اس مقام پر دونوں لشکر آپس میں نبرد آزما ہوئے تین دن گھمسان کی لڑائی کے بعد مجاہدین نجد فتح مبین سے ہمکنار ہوئے مصریوں کا لشکر شکست فاش کھا کر دُم دبا کر بھاگ نکلا۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنا سارا ساز و سامان پھینک کر بھاگ نکلے۔ انہوں نے اپنے پیچھے خیموں آلاتِ حرب مشین گنوں اور غلّے کے ذخیروں کو ویسے کا ویسے چھوڑ دیا صرف اپنے گھوڑے اور اونٹ وہ ساتھ لے جا سکے جس پر کہ وہ سوار تھے پانچ ہزار مقتول اور زخمیوں کو وہاں چھوڑا۔ مجاہدین کی فوج سے بھی چھ سو آدمی شہید ہوئے۔ نجدیوں اور مجاہدین کی جنگوں میں اس کے سوا آج تک کوئی ایسی جنگ نہیں جس میں اتنے آدمی کام آئے ہوں۔

مصریوں کا شکست خوردہ لشکر ینبوع میں جمع ہوا اور وہاں سے نئی مدد طلب کی گئی۔ ۱۲۲۷ھ میں مصر سے نئی فوج آراستہ ہو کر آئی۔ طوسون کی قیادت میں انہوں نے اب کے مدینہ پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہو گئے۔ اسی سال امیر سعود نے چھٹا یا ساتواں حج کیا اور کعبہ کو سیاہ ریشم کا غلاف پہنایا۔ اس کے بعد امیر سعود خود مکہ کی گلیوں کا چکر لگانے لگا اور جگہ جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے لگا لوگوں کو حق کی دعوت پیش کرتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ جس کو دیکھا کہ شریعت کے خلاف کر رہا ہے اُسے اُسی وقت سزا دی تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ اس کے بعد امیر سعود نے کچھ فوج کا حصہ مدینہ منورہ روانہ کیا کہ وہاں خرافات کو ختم کر کے اصلاح کی جائے۔ مجاہدین کے لشکر نے کافی اصلاحات کیں اس کے بعد وہ نجد واپس لوٹ آئے۔

طوسون کا مدینہ پر حملہ

طوسون نے جب مدینہ پر حملہ کیا تو سب سے پہلے مدینے کا محاصرہ کر لیا اُس وقت سات ہزار نجدی مدینہ میں تھے۔ بہت بڑا شدید محاصرہ تھا قلعہ پر توپ نصب کر دی چاروں طرف نالیاں کھود کر بارود سے بھر دیں مدینے والوں کا پانی کاٹ دیا گیا۔ مدینہ والوں پر مختلف امراض نے حملہ کیا۔ اس حالت کو دیکھ کر مدینہ والے نجدیوں کے مخالف ہو گئے۔ اڑھائی ماہ مسلسل محاصرہ رہا۔ نجدی دو مصیبتوں میں گرفتار تھے ایک طرف مصری فوج دوسری طرف اہل مدینہ بہر حال چار ہزار آدمی ان میں سے موت کا شکار ہوئے۔ اس کے بعد مصری فوج دروازے توڑ کر مدینہ میں داخل ہو گئی۔

جب طوسون نے مدینہ میں اطمینان حاصل کیا تو شریف غالب کو موقع ملا

وہ دل سے سعودیوں کا مخالف تھا صرف وقتی طور پر اُن سے مصالحت کی تھی۔ اُس نے طوسوں کو مکہ آنے کی دعوت دی اسی دوران میں اُس نے جدہ پر بھی قبضہ کر لیا اور شریف غالب نے مکہ اُن کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے طائف کا رخ کیا اور اُس پر بھی قابض ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا سعودیوں نے اُسے تربۃ اور قنفذہ کے مقام پر شکست دی اور اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس دوران میں مصریوں کی آٹھ ہزار فوج ہلاک ہو چکی تھی۔ طوسوں نے دوبارہ اپنے والد سے مدد طلب کی تاکہ جنگ کو جاری رکھ سکے۔

محمدؐ علی پاشا کی مکہ میں آمد اور شریف غالب کا خروج

بیٹے کے پیغام پر محمدؐ علی نے ایک لشکر تیار کیا اور خود اپنی قیادت میں لے کر تیس شعبان ۱۲۲۸ھ کو جدہ پہنچا شریف غالب نے پر جوش استقبال کیا اور اُس کی رفاقت میں مکہ داخل ہوا۔ محمدؐ علی نے مکہ میں قرار پاتے ہی شریف کو اُس کے سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر اُسے سزا دی اُسے شاہی فرمان کے مطابق پکڑ لیا گیا اُس کی تمام اولاد پر بھی قابو پا لیا گیا اور انہیں گرفتار کر کے مصر روانہ کر دیا۔ شریف غالب کے خزانہ میں سے جو کچھ سونا چاندی ہاتھ لگا اپنے قبضہ میں کر لیا جیاد کے قصر شاہی سے اُس کے حرم کو باہر نکال دیا اور اُس کی جگہ اُس کے بھتیجے الشریف یحیٰی بن سرور کو مقرر کر دیا۔

امیر سعود کی وفات

محمدؐ علی پاشا سعودیوں کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ کہ اس دوران میں ۸ جمادی الاول ۱۲۲۹ھ کو درعیہ میں امیر سعود کی وفات ہوئی۔

اُس وقت اُن کی عمر ۶۸ سال کو پہنچ چکی تھی۔ اُس کی امارت کا دور تقریباً گیارہ سال بنتا ہے۔ حقیقت میں وہ جب سے ولی عہد مقرر ہوئے تھے اُن کی مجاہدانہ زندگی کا دور شروع ہوتا ہے اس اعتبار سے تقریباً ستائیس سال انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں گذارے۔

امیر سعود گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے اُن کو سعود کبیر کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بہت ہی متواضع پرہیزگار حلیم اور بردبار تھے اِس کے علاوہ سیاست میں بہت بڑا ورک حاصل تھا۔ کمال درجہ کے ذہین اور ذکی تھے۔ اُن کی شخصیت امارت اور سیاست تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ علم کے ساتھ اُن کو بہت بڑا شغف تھا۔ علماٗ اور طلباٗ سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ ہمیشہ اُن کے شاہی محل میں تلاوتِ قرآنِ مجید اور درس وتدریس کی مجلس منعقد ہوتی تھیں۔ بعض اوقات وہ خود درس وتدریس کے فرائض کو سرانجام دیتے تھے بڑے بڑے علماٗ اُن کا تفسیر اور فقہ کا درس سُن کر ششدر اور حیران رہ جاتے تھے۔ باوجود اتنے مشاغل کے وہ درس کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے طلباٗ کی نگرانی بھی خود کرتے تھے ذہین اور محنتی طلباٗ کو گراں قدر وظائف سے نوازتے تھے۔

جنگی فنون میں کمال درجہ کی مہارت تھی۔ سنتِ رسولؐ کے مطابق اَلحَرْبُ خُدْعَۃٌ پر عمل پیرا تھے۔ جب وہ کبھی شمالی جانب حملے کا ارادہ کرتے تھے تو اظہار یہ کرتے تھے کہ وہ جنوب کی طرف جانے والے ہیں اور اگر غرب کا ارادہ ہوتا تو لوگوں سے شرق کی طرف جانے کا اظہار کرتے تھے بالکل اسی طرح سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی دستور تھا۔ جب احسأ پر لشکر کشی کی تو رات کے وقت چاروں طرف سے شہر کو گھیر لیا اپنے سپاہیوں سے کہا کہ سورج نکلتے ہی ہر ایک شخص اپنے پاس آگ جلائے اور بندوق کا ایک ایک فائر کرے۔ تاکہ

یک لخت جب لوگ اس منظر کو دیکھیں گے تو گھبرا جائیں گے۔ چنانچہ مجاہدین نے سورج نکلتے ہی آگ روشن کر دی اور بندوقوں سے گولیاں برسنے لگیں۔ چاروں طرف دھواں چھا گیا۔ گولیوں کی آواز سے زمین ہل گئی۔ کتنی حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے شہر والے گھبرا گئے اور بڑی آسانی سے احسا کو فتح کر لیا گیا۔ آنحضورؐ نے بھی خیبر کے موقع پر بھی ایسی ہی کیا تھا سورج نکلتے ہی انہیں آدبوچا تھا۔

امیر عبداللہ بن سعود

۱۲۲۹ھ میں امیر عبداللہ بن سعود منصب امارت کے لئے منتخب ہوا باپ کی وفات کے بعد امارت کی بیعت اُن کے ہاتھ پر کی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ محمدؐ علی اور سعودی آپس میں برسرِ پیکار تھے اور معرکہ خوب گرم تھا۔ امیر عبداللہ حکمت و دانائی اور سیاست میں اپنے باپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ اِس لئے زمامِ مملکت کو پوری طرح سنبھال نہ سکا۔ اور نہ ہی اُن خطرات پر قابو پا سکا جو اُس کے سامنے درپیش تھے۔

محمدؐ علی پاشا سے جنگ

۱۲۳۰ھ میں طائف کے قریب بسل کے مقام پر سعودی لشکر شکست کھا گیا محمدؐ علی کو موقع ملا بسل کے بعد بیشہ اور تربہ پر بھی قبضہ جما لیا۔ باوجود ان فتوحات کے محمدؐ علی مصر واپس لوٹنے کے لئے مجبور ہوا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے خلاف جو مصر میں محاذ قائم ہو چکا ہے جس سے اُس کو مصر کی امارت سے برطرف کئے جانے والا ہے اُسے کسی طرح سے فرو کیا جائے۔

طوسون بن محمد علی پاشا کا نجد پر حملہ

دوسری طرف محمد علی کا بیٹا طوسون نجد پر حملہ آور ہوا رس پر حملہ کیا اور اپنے قبضہ میں کر لیا۔ امیر عبداللہ نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا اور طوسون کو رس اور نجد سے باہر نکالنے کی ٹھانی امیر عبداللہ طوسون کی طرح سے نوجوان تھا تجربات بھی کافی نہ تھے کامیاب نہ ہو سکا آخر صلح پر آمادہ ہوا۔ صلح یوں ٹھہری کہ مصری نجد سے نکل جائیں اور نجدی مصریوں کو حج کی اجازت دیں اور راستوں کے امن کی ذمہ داری میں اس کے علاوہ جو کچھ حجرۂ نبویہ سے لوٹا گیا ہے واپس کریں۔ طوسون اپنے لشکر کو لے کر مدینہ پہنچا۔ اُس کے ساتھ ہی اہل نجد کا ایک وفد بھی تھا جو معاہدۂ صلح کو اپنے ساتھ لایا ہوا تھا کہ محمد علی اُس پر تصدیق کرے۔ محمد علی مصر لوٹنے سے پہلے مدینہ زیارت کے لئے آ گیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ مدینہ میں مل جائے گا۔ مگر وہ اُن کے آنے سے پہلے ہی مصر روانہ ہو چکا تھا۔ وفد مصر پہنچا صلح پر پورا اتفاق ہو گیا اور وفد واپس لوٹ آیا۔ طوسون مدینہ سے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ اور چند ماہ بعد اسکندریہ میں فوت ہو گیا۔

نقض عہد اور سعودیوں پر دوبارہ حملہ

سنہ ۱۲۳۱ھ میں محمد علی پاشا نے معاہدۂ صلح توڑ دیا اور اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کی قیادت میں چار ہزار فوجیوں کا لشکر جرار آلاتِ حرب سے لدا ہوا سعودیوں کے خلاف روانہ کیا راستہ میں سے دو ہزار آدمی اور ملا لیا گیا جو کہ فوج کی خدمت سر انجام دینے پر مامور ہوا۔ حملہ قیصر کی جانب سے کیا گیا وہاں سے ینبوع اور مدینہ پہنچے وہاں سے سنہ ۱۲۳۲ھ کو قصیم کے لئے روانہ ہوئے فتح کرنے کے بعد اس

کا محاصرہ کر لیا اور اُسے بھی فتح کر لیا عنیزہ اور بریدہ کے فتح کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ آگے بڑھتے گئے۔ درعیہ کے جنوب کی جانب نازل ہوئے اس کے بعد ۱۲۳۳ھ میں درعیہ کا محاصرہ کر لیا۔ پانچ ماہ تک محاصرہ قائم رہا۔ امیر عبداللہ نے بہادرانہ طور پر شہر کا دفاع کیا۔ محاصرے کی طوالت اور ابراہیم پاشا کی قوت اور گولہ باری نے مجبور کر دیا کہ وہ شہر دشمن کے حوالہ کر دیں۔

درعیہ پر قبضہ

محرم ۱۲۳۴ھ کو درعیہ کی تسلیم کے بعد ابراہیم پاشا نے امیر عبداللہ کو ان کے بعض خواص اور حاشیہ برداروں اور غلاموں کے ساتھ مصر بھیجا چار سو فوجی اُن کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئے پہلے مدینہ اور وہاں سے مصر روانہ ہوئے۔ محمد علی پاشا کے سامنے امیر عبداللہ کو کھڑا کیا گیا۔ محمد علی نے اپنے بیٹے ابراہیم کے متعلق سوال کیا کہ کیسا پایا ہے امیر عبداللہ نے جواب دیا کہ اُس نے اپنے فرائض کو سر انجام دیا اور ہم نے اپنے فرائض سر انجام دیئے اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا ہو گیا۔

امیر عبداللہ کی شہادت

امیر عبداللہ کو دو دن قاہرہ میں رکھا گیا اُس کے بعد انہیں سلطان کے پاس عثمانی پایۂ تخت روانہ کیا گیا۔ وہاں پہنچ کر اُسے بازار میں پھرایا گیا اور تشہیر کیا گیا اس کے تین دن بعد اُن کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اس طرح وہ مجاہد فی سبیل اللہ جاں بحق ہوا اور جام شہادت نوش کیا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ" یہاں آکر سعودی حکومت کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔

ابراہیم پاشا کا سعودیوں سے انتقام اور اہل درعیہ کی آزمائش

ابراہیم پاشا نے درعیہ میں داخل ہوتے ہی بڑے بڑے زعماؒ اور علماؒ کو پکڑ لیا اور انہیں بہت سخت سزائیں دیں۔ بعض کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر گھوڑوں کے پاؤں تلے ڈالا گیا اُن پر گھوڑے دوڑائے گئے اور یوں کر کے اُن کو کچلا گیا۔ بعض کو توپوں کے سامنے الٹے لٹکا کر گولے برسائے گئے اُن کا ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ کہ اُن کے گوشت کے ٹکڑے فضا میں اڑنے لگے۔ شہر درعیہ کا سب سے بڑا قاضی جو احمد بن رشد الحنبلی کے نام سے موسوم تھا۔ اُس کو سر بازار مارنے پیٹنے کا حکم دیا گیا اور اُس کے سارے دانت اُکھاڑ دیئے گئے۔

درعیہ کی بربادی اور خرابی

اس پر ابراہیم کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ بلکہ درعیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور کوئی مکان بھی سالم نہ رہنے دیا۔ گھروں میں آگ لگا دی گئی۔ نخلستانوں کو کاٹا گیا۔ اور جلایا گیا۔ آلِ سعود کے تمام قصور آگ کا شعلہ بن گئے اور انہیں پوری طرح سے مسمار کر دیا گیا۔ دوسرے شہروں کو فتح کیا تو اُس میں بھی یہی کچھ کیا۔ عارض۔ نخرج۔ وشم اور قصیم سب کو تہہ و بالا کر دیا۔

اہلِ توحید کی بربادی کے سامان غیروں کی زبان پر

ایک بہت بڑے مورخ ہوغارث کا بیان ہے کہ محمد علی بلادِ عربیہ کو اپنے ملک کے ساتھ ملانے کا خواہش مند نہیں تھا وہ تو صرف شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ یا نظامِ حکومت سعودیوں سے چھیننا چاہتا تھا جو کہ

شیخ کی دعوت پر قائم تھے اور بلاد عربیہ کی تطہیر کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگ پھر پہلی حالت پہ لوٹ آئیں جو وہابی تحریک اور مذہب کے ظہور سے پہلے تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا ابن بشر بہت بڑا عرب مورخ لکھتا ہے۔ کہ محمد علی کے عہد میں لوگ پھر پرانی جہالت پر آ گئے اُسی طرح پھر لوٹ گھسوٹ ہونے لگی اور امن برباد ہو گیا۔ نہ کوئی امر بالمعروف کرنے والا رہا اور نہ ہی کوئی برائیوں سے روکنے والا رہا۔

ان تمام محاولات کے باوجود جبکہ نجد محمد علی کے ماتحت آ چکا تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت زندہ تھی۔ وہ نجدی جو کہ سچے دل سے شیخ کی دعوت قبول کر چکے تھے۔ ابھی تک علم کے اندر رواں دواں تھے۔ اُن کے علماء اور عوام درس و تدریس میں مشغول تھے اور اُس پر عمل پیرا بھی تھے۔ اپنے سارے معاملات میں وہ شیخ کی دعوت پر ہی کاربند تھے۔ وہ اِس دور کے منتظر تھے کہ پھر اسی کلمہ پر لوگ اٹھیں گے اور جہالت و گمراہی دور ہو گی۔

محمد علی اور مصری تسلط کے بعد عرب کی حالت۔ سعودی حکومت کے دورِ ثانی کی ابتدا

ابراہیم پاشا نے سعودی حکومت کو ختم کرنے اور درعیہ کی بربادی کے بعد اپنی حامی فوج کو شقرا، رس، عنیزہ اور بریدہ میں چھوڑا اور خود مصر واپس آیا۔ نجد کی حالت بہت بری ہو گئی تھی۔ امن مفقود ہو گیا اور پرانی جہالت نے سر اٹھایا گویا ملک پھر اُسی نہج پہ آ گیا جو کہ شیخ کی اصلاحی دعوت سے پہلے تھا۔ مؤرخ نجدی ان حوادث کو جو ۱۲۳۴ھ میں رونما ہوئے۔ یوں بیان کرتا ہے کہ ملک میں اختلاف و اضطراب کی خلیج وسیع تر ہو گئی۔ قتل و غارت ہونے لگی مال لٹنے لگے۔ جماعتی نظام

ختم ہوگیا سمع وطاعت باقی نہ رہی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مفقود ہوگیا۔ محرمات کا ارتکاب ہونے لگا۔ مکروہات کھلے بندوں ہونے لگیں۔ مدارس اور درس گاہیں گم ہوگئیں۔ مسجدیں خالی ہوگئیں۔ مجلسیں راگ وسرود اور لہو ولعب سے معمور تھیں۔ فتنہ کی تلوار میان سے نکل چکی تھی۔ کوئی شخص بھی رات کو امن سے نہیں سوتا تھا دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر دشوار ہوگیا۔ اعلانیہ طور پر دعوۂ جاہلیت کو پکارا جانے لگا۔ پرانے بغض اور کینے پھر بیدار ہوگئے۔ اسی بات پر ایک دوسرے کا سربازار قتل ہونے لگا۔ ہر شخص رات اور دن بغیر کسی اسلحہ کے نہیں چل سکتا تھا۔ شیخ کی دعوت سے پہلے اور پرانے اُمرأ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور وہ اپنے اپنے ملکوں میں واپس آگئے۔ کیا ذکر کیا جائے چاروں طرف فتنہ کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔

مصری اور ترکی حکومت کا زوال اور محمد بن مشاری بن معمر کی امارت

سنہ ۱۲۳۴ھ میں جب ابراہیم پاشا مصر واپس لوٹ آیا تو محمد بن مشاری بن معمر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ دیکھا کہ سابقین امرأ عیینہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور آل سعود میں سے بھی کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنی امارت کو واپس لوٹائے۔ خود اپنے لئے امارت کی تمنا کی۔ عیینہ سے درعیہ منتقل ہوگیا۔ اور درعیہ کی اصلاح میں مشغول ہوگیا۔ ابراہیم پاشا نے جو بربادی کی تھی اُس کی تعمیر ہونے لگی۔ لوگوں پر اثر ڈالا کہ انہیں اپنی طرف مائل کرلیا۔ اہل درعیہ نے اُس کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کرلی۔ اُس کے بعد وشم اور سدیر کے علاقوں کو بھی اُس نے اپنے ساتھ ملالیا۔ محمد بن عریعر نے جو کہ احسا کا امیر تھا اس پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا ابن معمر نے اُسے مکروفریب سے اور کچھ تحفے تحائف پیش کرکے واپس لوٹا دیا۔

بالکل قریب تھا کہ وہ پورے نجد پر قابض ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔

مشاری بن سعود الکبیر کا امارت کے لئے کھڑا ہونا اور درعیہ کی واپسی

ابراہیم پاشا نے جن لوگوں کو مصر جلاوطن کیا تھا اُن میں مشاری بن سعود الکبیر بھی تھے یہ موقع پا کر ینبوع کے قریب سے بھاگ نکلے اور قصیم میں آ گئے۔ وہاں آتے ہی انہوں نے ابن معمر سے امارت واپس لینے کی کوشش شروع کر دی۔ سدیر والوں نے اُس کی مدد اور اعانت کی اور اُسے اپنا امیر مقرر کر لیا۔ سدیر اور قصیم والوں کو ساتھ ملا کر درعیہ پر چڑھائی کر دی ۱۲۳۵ھ میں بغیر لڑائی کے درعیہ میں داخل ہوا۔ ابن معمر امارت سے دست بردار ہو گیا اور مشاری بن سعود الکبیر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد مشاری بن سعود نے خرج پر چڑھائی کی اور جنگ کے بعد اُس پر قبضہ کر لیا۔

ابن معمر کا غدر اور دوبارہ امارت پر فائض ہونا

ابن معمر نے جب مشاری بن سعود کو دیکھا کہ اس کی امارت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے بہت نادم ہوا کہ وہ اُس کے حق میں امارت سے کیوں دست بردار ہوا۔ اُس نے امارت واپس حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی وہ کسی حیلہ سے درعیہ سے نکلا سدوس پہنچ کر اُن کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اس کے بعد حریملا اور قبیلہ مطیر کو اپنے ساتھ ملایا۔ درعیہ میں اچانک اپنے آدمیوں کو لے کر گھس آیا اور مشاری بن سعود کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر بعد اُسے ترکوں کے حوالہ کر دیا انہوں نے مشاری کو قتل کر دیا۔ اس طرح ابن معمر نے دوبارہ اپنی امارت حاصل کر لی۔

ترکی بن عبداللہ کی امارت اور درعیہ اور ریاض پر دوبارہ قبضہ

نجد پر ترکوں کے تسلط کے بعد جب سعودی حکومت کو زوال آیا۔ تو آل سعود کے بعض امرا مصر بھیج دیئے گئے تھے اور بعض نے اِدھر اُدھر بھاگ کر پناہ لی اور اپنی جانیں بچائیں۔ انہی میں سے ترکی بن عبداللہ بن محمد آل سعود بھی اُس وقت نجد کی جنوبی جانب بھاگ نکلے اور خرج میں پناہ لی۔ جب ابن معمر کی امارت درعیہ میں قائم ہوئی تو ترکی درعیہ واپس لوٹ آئے اور ابن معمر کے ساتھ مل گئے۔ بعد میں جب ابن معمر مشاری بن سعود کے حق میں امارت سے دست بردار ہوا تو مشاری بن سعود نے ترکی کو ریاض کا امیر مقرر کر دیا۔ جب ابن معمر نے دوبارہ امارت واپس لے لی تو اُس نے ریاض کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا اور اُس کے امیر کو پکڑنا چاہا۔ ترکی وہاں سے بھاگ نکلا اور خرج چلا گیا اور کچھ عرصہ وہاں ٹھہرا۔ بعد ازاں اُضر میں پہنچا۔ ابن معمر نے اُس سے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں وہ اُس پر چڑھائی نہ کر دے۔ اس لئے ایک لشکر اُس کی سرکوبی اور اُسے پکڑنے کے لئے بھیجا وہ لشکر امیر ترکی کے ساتھ جا کر مل گیا۔ اِس کے بعد اُس کے انصار بڑھنے لگے۔ شہروں اور دیہاتوں کے اکثر لوگ اُس کے ساتھ مل گئے۔ ۱۲۳۵ھ میں وہ اپنے انصار کو لے کر درعیہ پر حملہ آور ہوا۔ اچانک شہر میں داخل ہو کر ابن معمر کو گرفتار کر لیا۔ اِس کے بعد ریاض پر قبضہ کر لیا اور اُس کے بیٹے کو بھی گرفتار کر لیا اسی پاداش میں ابن معمر قتل کر دئے گئے۔

ترکوں کی ریاض پر دوبارہ چڑھائی

۱۲۳۶ھ میں ترکوں نے محسوس کیا کہ نجد اور عرب کی حکومت اُن کے ہاتھوں

سے نکل رہی ہے۔ انہوں نے حسین بک کی قیادت میں ترکوں کا ایک لشکر جرار روانہ کیا تاکہ حکومت ترکی کو مضبوط کیا جائے اور سعودیوں کی نئی حکومت کا قلع قمع کر دیا جائے۔ حسین بک نے ریاض پر چڑھائی کی اور امیر ترکی کا ریاض میں شدہ محاصرہ کر لیا۔ وہ ریاض پر تو قابض ہو گئے مگر امیر ترکی اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

امیر ترکی کی دوبارہ آمد اور ریاض پر حملہ

امیر ترکی ریاض سے نکل کر چھپا رہا۔ دو سال اسی طرح گذار دیئے ترک پوری طرح ریاض پر قابض ہو گئے پھر ۱۲۳۸ھ میں امیر ترکی کا ظہور ہوا۔ وہ اپنے تیس ساتھیوں کو لے کر عرقہ پہنچا جو کہ ریاض اور درعیہ کے درمیان میں واقع ہے۔ وہاں کچھ دیر قیام کیا۔ شقرا اور سدیر کے بہت سے لوگ امیر ترکی کے گرد جمع ہو گئے۔ اُن سے مل کر ریاض پر ایک مختصر سا حملہ کیا اور پھر عرقہ میں واپس آ گئے۔ ترکوں نے پیچھا کیا۔ اور عرقہ کا محاصرہ کر لیا محاصرہ بہت دیر تک قائم رہا۔ یہاں تک کہ ترک تھک گئے اور وہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے مراکز میں واپس لوٹ آئے۔

ریاض پر دوبارہ قبضہ

امیر ترکی اور اتراک مسلسل دو سال تک برسرپیکار رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۴۰ھ میں امیر ترکی کو موقع ملا اور ریاض کا بہت شدید محاصرہ کر لیا۔ ترکی فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ ریاض کو انہوں نے امیر ترکی کے حوالہ کر دیا اور اُس کے ہر مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے اعلان کر دیا۔ امیر ترکی نے شرط لگائی کہ ترکی فوج کلیۃً نجد کو چھوڑ کر چلی جائے۔ ایک آدمی بھی اُن کا یہاں نہ رہے۔ جب یہ معاہدہ پورا ہوا۔ تو اہلِ نجد نے بالاتفاق امیر ترکی کے ہاتھ پر بیعت کی اس طرح اُس کے قدم

امارت پر جم گئے۔ اور کھوئی ہوئی دولت دوبارہ سعودیوں کے ہاتھ لگی اور نجد کا فساد امن میں تبدیل ہوا۔

اصلاحی دعوت کی تجدید

۱۲۴۱ھ میں جب امیر ترکی کا عہدِ حکومت تھا شیخ عبدالرحمٰن بن حسن اور ان کے بیٹے شیخ عبداللطیف جو کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد میں سے تھے اور اپنے عصر کے بہت بڑے علما میں سے شمار ہوتے تھے۔ سقوطِ درعیہ کے وقت بعض علما اور امراء کو مصر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا ان میں یہ دونو باپ بیٹا بھی تھے۔ یہ درعیہ واپس لوٹے اور پھر دعوتِ حق کی تحریک بڑے پیمانے پر شروع کی۔ امیر ترکی کا پورا تعاون تھا۔ اجنبی اقتدار کی وجہ سے جو خرافات پھر زندہ ہو چکی تھیں انہیں اپنے وعظ و ارشاد اور درس و تدریس سے ختم کیا۔ وعظ کے حلقے ہر نماز کے بعد قائم ہوتے تھے۔ اُن میں مختلف کتب اور رسائل کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ جو کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تالیف کردہ تھے۔ نجد کی مساجد پھر معمور ہو گئیں اور ان کی کوشش بار آور ہوئیں۔

امیر فیصل اور احساء پر قبضہ

۱۲۴۳ھ میں امیر فیصل بن ترکی جو کہ باپ کی طرح ملک سے جلاوطن تھا۔ جب اُس نے سنا کہ اُس کا باپ نجد و ریاض کی حکومت پر متمکن ہو گیا ہے۔ تو وہ بھی مصر سے واپس آ گیا۔ آتے ہی باپ کا ہاتھ بٹایا۔ باپ کا بہت بڑا معاون تھا اور اُس کی سیاست پر چلتا تھا۔ آتے ہی محمد اور ماجد جو کہ عریعر کے بیٹے تھے اور احساء کے امرا میں سے تھے ۱۲۴۵ھ میں اُن پر چڑھائی کی اور احساء کو اپنے باپ

کی حکومت میں شامل کر لیا۔

امیر ترکی کا قتل

امیر ترکی کا عہدِ امارت تین سال کا ہے۔ آپ کے بھانجے مشاری بن عبدالرحمن بن سعود نے اپنے ماموں کو قتل کرنے کی سازش کی۔ وہ اس بات کا خواہش مند تھا کہ ماموں کے بعد منصبِ امارت کو سنبھالے۔ ایک غلام کو لالچ دے کر امیر ترکی کے قتل پر آمادہ کیا۔ غلام نے ایسے وقت میں امیر ترکی کو قتل کیا۔ جب کہ وہ آخر ذی الحجہ ۱۲۴۹ھ کو نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے۔ مشاری نے انتہائی کوشش کی کہ وہ منصبِ امارت پر متمکن ہو جائے۔ مگر اُس کی تمنا اور آرزو پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ فیصل بن ترکی نے باپ کے قتل کے بعد منصبِ امارت کو سنبھال لیا اُس وقت سے لے کر آج تک ریاست انہی کے خاندان میں ہے ترکی بن عبداللہ کا منصب امارت پر فائض ہونا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حکومت عبدالعزیز بن محمد بن سعود کی اولاد سے منتقل ہو کر اُس کے بھائی عبداللہ بن محمد بن سعود کی اولاد میں آگئی اُس کے بعد سے آج تک سعودی حکمران اسی خاندان سے ہیں

مشاری بن عبدالرحمٰن بن سعود

۱۲۵۰ھ میں امیر ترکی کے قتل کے بعد امیر مشاری نے لوگوں کو اپنی بیعت کے لئے دعوت دی۔ لوگ متردد ہوئے آلِ شیخ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ متفق ہو گئے اس خطرہ سے کہ مسلمانوں کا ناحق خون بہے گا اور دعوتِ توحید کو نقصان پہنچے گا۔ امیر فیصل بن ترکی کو معلوم ہوا تو وہ قطیف کی جانب سے ریاض کی طرف روانہ ہوا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے حکم سے اُس منطقہ کے امرا سے برسرِپیکار

تھا اور انہیں حکومت نجد میں شامل کرنے کے درپے تھا۔ وہ اچانک ریاض میں داخل ہوا اور اپنے فوجیوں کی مدد سے امیر مشاری کے قصر کا محاصرہ کر لیا امیر فیصل کے بعض ساتھی دیوار پھلانگ کر قصر میں داخل ہو گئے۔ عبداللہ بن علی بن رشید اُن سب میں سے پیش پیش تھا۔ انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ جب کہ اُس نے صرف چالیس دن حکومت کی۔

فیصل بن ترکی اور اُس کی بیعت

۱۲۵۰ھ میں امیر مشاری کے قتل کے بعد امیر فیصل بن ترکی کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کی گئی۔ امیر فیصل نے حکومت سنبھالتے ہی عبداللہ بن علی بن رشید کو اُس کے عظیم الشان کارناموں کی بنا پر حائل کا امیر مقرر کیا۔ نجد اور احسائ پر امیر فیصل کا پورا قبضہ اور تسلط قائم ہو گیا۔ ان حالات کو دیکھ محمد علی پاشا گھبر ایا کہ کہیں سعودی حکومت پھر پہلے کی طرح قوت نہ جمع کر لے اور ان کے لئے مصیبت نہ بن جائے ابھی تک حجاز پر ترکوں کا ہی قبضہ اور تسلط تھا۔

محمد علی پاشا کی طرف سے ریاض پر دوبارہ حملہ

اِن مقاصد کے پیشِ نظر محمد علی پاشا نے اسماعیل آغا کی قیادت میں ایک لشکر ۱۲۵۲ھ میں روانہ کیا۔ لشکر کے ساتھ امیر خالد بن سعود الکبیر بھی تھا جو کہ مصر میں جلاوطن تھا۔ محمد علی نے اسے اپنی بعض اغراض کے لئے روکا ہوا تھا تاکہ ضرورت کے وقت عربوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑانے میں کام آئے۔ ینبوع کے راستہ سے یہ حملہ آور ہوئے اہلِ ریاض مصریوں اور ترکوں سے پہلے ہی خوفزدہ تھے وہ لشکر کو دیکھ کر مصریوں کی طرف جھک گئے۔ جب امیر فیصل نے دیکھا کہ

اہلِ ریاض اُس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں وہ ریاض سے احسا کی طرف بھاگ نکلا۔ امیر خالد صفر ۱۲۵۳ھ میں ریاض داخل ہوا۔ اہلِ ریاض نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نجد کے جنوبی قریٰ والوں نے بیعت سے انکار کر دیا وہ جانتے تھے کہ یہ اجنبی حکومت کا آلۂ کار ہے۔

اہلِ حریق اور حوطہ والوں کے خلاف جنگ

اسماعیل آغا اور امیر خالد نے قوت کے ساتھ جنوبی منطقہ پر قبضہ جمانا چاہا حلوہ حریق اور حوطہ والوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ جس میں امیر خالد اور اس کے ساتھی شکست فاش کھا کر ریاض بھاگ گئے۔ امیر فیصل کو امیر خالد کی شکست کا ایک بہت بڑا موقع مل گیا۔ اُس نے ریاض پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ریاض کے جنوب میں مصانع کے مقام پر امیر خالد اور اس میں ایک بہت بڑی معرکۃ الآرا جنگ ہوئی۔ امیر فیصل باوجود فتح و کامیابی کے ریاض کی شدّتِ تحصین کی وجہ سے قبضہ نہ کر سکا۔

خورشید پاشا کی نجد میں آمد

محمد علی پاشا کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اُس نے خورشید پاشا کو امیر فیصل کی حرکات کا قلع قمع کرنے کے لئے روانہ کیا اور حکم دیا کہ امیر خالد کی امارت کو جہاں تک ہو سکے مضبوط کیا جائے۔ شروع شروع میں تو امیر فیصل نے کچھ ہدیے پیش کر کے خورشید پاشا کو اپنی طرف مائل کیا۔ مگر آخر کار اُس کی سیاست اور نیت کا اُن کو پتہ چل گیا۔ ان دونوں میں مختلف مقامات پر شدید جنگیں ہوئیں سب سے بڑا معرکہ خرج کے قریب خراب کا معرکہ ہے۔ جب امیر فیصل نے محسوس کیا کہ اب

نجات کی کوئی راہ نہیں اور چاروں طرف سے گھِر گیا تو صلح کی طرف مائل ہُوا۔ صلح کے بعد خورشید پاشا نے اُسے دوسری دفعہ پھر مصر بھیج دیا اور یہ رمضان ۱۲۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

امیر خالد بن سعود

۱۲۵۴ھ میں امیر فیصل کے مصر کوچ کر جانے کے بعد امیر خالد بن سعود اکیلا نجد کی امارت پر متمکن ہوا۔ درحقیقت مملکت کے جملہ امور خورشید پاشا کے ہی ہاتھ میں تھے اور حکمرانی بھی حقیقت میں ترکی فوج کے سپرد ہی تھی۔ امیر خالد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ محمد علی پاشا کے نام سے ہی حکومت کرے کیوں کہ وہ مصر میں رہ کر پورا مصری بن چکا تھا۔ نجدی اس چیز سے انکار کرتے تھے امیر خالد کی امارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور وہ اسے اپنے اوپر ایک ذلیل سمجھ رہے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر انہوں نے جب کہ امیر خالد کی اطاعت کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں تھا عبداللہ بن ثنیان کو امارت کے لئے خوش آمدید کہا۔

عبداللہ بن ثنیان

۱۲۵۷ھ میں عبداللہ بن ثنیان نے نجد کے جنوبی منطقہ والوں کو اس طرف رغبت دلائی کہ وہ انہیں اجنبی اقتدار سے بچانا چاہتا ہے۔ اور اُس شر کو دور کرنا چاہتا ہے جو کہ باہر سے آنے والوں نے برپا کیا ہے۔ آلِ شیخ نے اُس کی نصرت کا وعدہ کیا اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی۔ حایل۔ حوطہ اور حریق والوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ جب امیر خالد نے یہ دیکھا تو مختلف قبائل کو متنفر کرنا چاہا مگر ان سب نے مدد سے انکار کر دیا۔ جب اُسے معلوم ہُوا کہ اُس کے

دشمن کا پلہ بھاری ہے۔ تو میدان چھوڑ کر بھاگ جانے کو ہی ترجیح دی۔ احسا میں پناہ لی پھر وہاں سے کویت پہنچا اور پھر قصیم میں آیا اور وہاں سے حجاز کا رُخ کیا۔ اور وہاں اس کو موت نے آدبوچا اور اِس دنیا سے کوچ کر گیا۔

ادھر عبداللہ بن ثنیان نے ریاض پر چڑھائی کر دی۔ ترکی فوج سے جنگ ہوئی۔ شدید قتال کے بعد فتح حاصل کی اور اُن کو وہاں سے نکال دیا۔ حالات درست ہو گئے اور فتنہ فرد ہوا۔ اور اُس نے پوری طرح سے استقلال حاصل کر لیا۔ چونکہ اُس کی سیاست میں بہت سختی تھی اور تکبر وغرور میں بھی مبتلا تھا۔ لوگوں کو مختلف قسم کے ٹیکسوں سے دبا دیا۔ اِس لئے عوام اُس کی حکومت پر سخت نالاں تھے۔ مجبوری کی بنا پر صبر کئے ہوئے تھے۔ امیر فیصل بن ترکی کو جب مصر سے واپسی کا موقع ملا انہوں نے اِس وقت کو غنیمت جانا اور امیر فیصل کے گرد جمع ہو گئے اور ابن ثنیان کی بیعت کو توڑ دیا۔

فیصل بن ترکی کا دوسرا دور

امیر فیصل بن ترکی مسلسل پانچ سال تک مصر میں جلاوطن رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عباس بن طوسون بن محمد علی کے ہاتھوں جیل خانہ سے اُس کی نجات کرائی وہ سیدھے حائل میں پہنچے۔ حائل کے امیر ابن رشید نے انہیں خوش آمدید کہا کیونکہ یہ اِسی کا پودا لگایا ہوا تھا۔ وہاں سے قصیم پہنچے۔ قصیم والوں نے آپ کا ساتھ دیا وہاں سے وہ نجد کے مختلف علاقوں کو خط لکھنے لگے اور اپنی آمد کے متعلق اُن کو خبر دی حالات کو سازگار بنانے کے بعد اُس نے فوراً ابن ثنیان کا ریاض میں محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں نے دروازے کھول دیئے بیس دن تک جنگ ہوتی رہی آخر کار فیصل کو جنوبی علاقہ سے مدد ملی جس میں شیخ عبدالرحمن بن حسن

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خاندان کے چشم و چراغ بھی تھے۔ امیر فیصل کا پلہ بھاری ہو گیا۔ ابن ثنیان نے قصر سے نکل بھاگنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے پکڑ لیا گیا اور جیل میں ڈال دیا گیا اور یہیں اُس کا خاتمہ ہوا۔

امیر فیصل کے جنگی کارنامے

ابن ثنیان کا دور ختم ہونے کے بعد امیر فیصل نے مستقل طور پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ تمام لوگ اُس کی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اُس نے انتہائی کوشش کی کہ سعودی حکومت کو پھر وہی عظمت حاصل ہو جو کہ اس سے پہلے تھی۔ آخر وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے حجاز کے علاوہ سعودی عہد کے دورِ اول کے تمام ممالک کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا اب سعودی حکومت دورِ اول کی طرح بہت وسیع تر ہو چکی تھی۔ امیر فیصل کو اس سلسلہ میں بہت جنگیں لڑنی پڑیں۔ جن میں سے مشہور واقعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۲۶۰ھ ہجری میں مناصیر اور بنی مرہ پر نادیبی حملے کئے گئے اور انہیں راہ راست پر لایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ۱۲۶۱ھ میں افلاج اور عجمان والوں کی بھی سرکوبی کی گئی۔

(۲) ۱۲۷۶ھ میں عجمان کو پوری طرح اطاعت کے لئے جھکا لیا۔ اُن سے بہت سی جنگیں لڑنی پڑیں۔ جن میں مشہور واقعات جہرا اور صبیحیہ کے ہیں۔

(۳) قصیم پر مختلف حملوں کو روکا گیا۔ آخر کار یہ تمام جنگیں صلح پر ختم ہوئیں۔

(۴) مصری حملے پر کامیابی جو کہ عباس بن طوسون نے عسیر پر کیا تھا تاکہ عسیر پر تسلط قائم کر کے امیر فیصل کے حامیوں کو ختم کیا جائے۔

(۵) محمد بن عون نے ۱۲۶۳ھ میں نجد پر تسلط قائم کرنے کی ٹھانی امیر فیصل

نے جوانمردی سے اُس کا مقابلہ کیا۔ امیر فیصل کی قوت کو دیکھ کر وہ صلح کی طرف مائل ہوا۔ اور جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ اِن تمام کارہائے نمایاں کی بنا پر اول سے لے کر آخر تک تمام نجد اُن کے قبضہ میں آگیا اور سعودی سلطنت بہت ہی مستحکم بن گئی تیس سال اُس کا دورِ حکومت رہا۔ مصری فوج کے ملک عرب کو چھوڑ جانے کی بنا پر بھی اُسے کافی فائدہ پہنچا۔ اتراک کے ساتھ صلح اور عدم اصطدام نے بھی اُن کی جڑیں اور زیادہ مضبوط کیں۔

امیر فیصل کی وفات

فیصل بن ترکی کی وفات ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات سے سعودی مملکت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ داخلی فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور اُس کی اولاد میں شدید اختلاف ہوگیا جو کہ مملکت کی کمزوری کا باعث بنا۔

فیصل کی اولاد میں نزاع

۱۲۸۲ھ میں عبداللہ بن فیصل اپنے باپ کی وفات کے بعد منصب امارت پر جلوہ فروز ہوا۔ کیونکہ اُس کے باپ فیصل بن ترکی نے اپنی زندگی ہی میں اُس کو اپنا ولی عہد مقرر کر لیا تھا۔ امارت سنبھالتے ہی اُس کے بھائی اس کی امارت میں اختلاف کرنے لگے۔ اِسی بنا پر فتنوں نے سر اٹھایا اور اندرونی خلفشار شروع ہوگئی مسلسل ستائیس سال تک امارت فیصل کے بیٹوں میں بڑی سرعت سے بدلتی رہی خلافت کے دعوے دار فیصل کے چار لڑکے تھے۔ عبداللہ، سعود، محمد اور عبدالرحمٰن کبھی کوئی غالب آتا تو کبھی کوئی جو ریاض پر قابض ہوجاتا تھا وہی حاکمِ اعلیٰ تصور کیا جاتا تھا۔ ان کا چچا عبداللہ بن فیصل بھی ان کے ساتھ

شریک تھا وہ بھی ان کے ساتھ اسی اُدھیڑ بُن میں مبتلا رہا۔ اسی اختلاف و انشقاق
کی بنا پر سعودی اقتدار سے حائل، احسا اور قصیم جاتا رہا۔ ترکوں نے ان مقامات پر
دوبارہ قبضہ کر لیا اور آلِ رشید کا تسلط ان مقامات پر پوری طرح سے قائم ہو گیا۔
آلِ سعود کے لئے سوائے ریاض اور اُن کے گرد و نواح کے اور کچھ باقی نہ رہا۔

سعود بن فیصل

سعود بن فیصل اپنے بھائی عبداللہ بن فیصل کے اوائل عہد حکومت میں حرکت
میں آیا مختلف قبائل کو سعود بن فیصل کے خلاف آمادہ کیا۔ قبیلہ عجمان۔ بنوہ مرہ اور
ابن خلیفہ بحرین کا امیر اس کی حمایت کے لئے آمادہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے احسا پر
حملہ کر دیا اور اپنے قبضہ میں کر لیا۔ عبداللہ بن سعود اپنی فوج لے کر نکلا مگر تیر کمان
سے نکل چکا تھا اور وہ پوری طرح احسا پر قابض ہو چکے تھے ۱۲۸۷ھ میں سعود
نے بڑی تیزی سے ریاض پر بھی قبضہ جما لیا اور اپنی مستقل امارت کا اعلان کر دیا۔
عبداللہ بن فیصل بڑا پریشان ہوا۔ مختلف قبائل سے مدد طلب کی مگر اس بات کے
لئے کوئی بھی آمادہ نہ ہوا۔ قصیم والوں نے صاف انکار کر دیا۔ آلِ رشید بھی اس کے
لئے آمادہ نہ ہوئے۔ یہاں سے مایوس ہو کر عراق میں سے ترکوں سے مدد طلب کی۔
چنانچہ مدحت پاشا امداد کے لئے آمادہ ہوا اور ایک ترکی لشکر تیار کیا۔ قبیلہ منتفق،
کویت کے امرا آلِ صباح اور قبیلہ بنو خالد نے بھی امداد کا وعدہ دیا۔ ان سب نے
مل کر احساء کو سعود بن فیصل کی امارت سے چھین لیا ۱۲۸۲ھ میں اتنے ہی علاقہ
کا نام ولایت نجد رکھ دیا گیا۔ عبداللہ بن فیصل نے ریاض پر تسلط قائم کرنے کی
کوشش کی مگر شکست کھائی۔ مگر اسی دوران میں ریاض میں بھوک اور قحط برپا
ہوا۔ اہلِ ریاض امیر سعود بن فیصل پر ٹوٹ پڑے اور اُسے ریاض سے باہر

نکال دیا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا عبداللہ بن ترکی کو امیر مقرر کر لیا۔ سعود نے پھر اچانک ریاض پر قبضہ جما لیا اور اپنے چچا کو قید کر دیا۔ اور اُس کی قید میں ہی موت واقع ہو گئی۔

اس کے بعد سعود بن فیصل نے ترکوں کے ساتھ مفاہمت کے طریقہ سے احسا کو دوبارہ اپنے قبضہ میں لینا چاہا۔ مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اُس نے جنگ کا راستہ اختیار کیا مگر شکست کھا گیا۔ اسی دوران میں قبائل عتیبہ کے ساتھ اُلجھا مگر شکست کھا گیا۔ اس لڑائی میں کافی زخم آچکے تھے چنانچہ ۱۲۹۱ھ میں انہی زخموں کی تاب نہ لا سکا اور موت واقع ہو گئی۔

عبدالرحمٰن الفیصل

اہل ریاض نے عبدالرحمٰن بن فیصل کو اُس کے بھائی سعود کی موت کے بعد اپنا امیر مقرر کیا ابھی ایک سال ہی اس کی امارت کو گذرا تھا کہ اس کا بھائی عبداللہ بن فیصل ریاض پر چڑھائی کر آیا۔ عبدالرحمٰن الفیصل بھائی کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ تاکہ شہر خونریزی سے بچ جائے اور ناحق لوگوں کا خون نہ بہایا جائے اب عبداللہ بن فیصل مستقل طور پر امیر بن بیٹھا۔

سعود بن فیصل کے بیٹوں نے قبائل کو برانگیختہ کیا اور اپنے چچا عبداللہ بن فیصل کے خلاف آمادہ کیا۔ وہ ان منصوبوں میں کامیاب ہو گئے۔ اُسے شکست دی اور پکڑ کر قید کر دیا۔ محمد الرشید کو ریاض کے شئون میں دخل دینے کا موقع مل گیا وہ ریاض میں داخل ہوا اور عبداللہ بن فیصل کو جیل سے نکالا اُسے اپنے ساتھ لے کر حائل پہنچا۔ ۱۳۰۶ھ کو عبدالرحمٰن کو اپنی طرف سے ریاض کا امیر مقرر کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اُسے حائل میں بُلا لیا اور ریاض کی امارت سالم السبہان

کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد ابن رشید نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن دونوں بھائیوں کو ریاض واپس آنے اور وہاں اقامت کی اجازت دے دی۔ وہ دونو ریاض واپس آ گئے ۱۳۰۷ھ ریاض واپس آتے ہی عبداللہ بن فیصل کی موت واقع ہو گئی۔ تھوڑی مدت بھی نہ گذری تھی کہ عبدالرحمٰن الفیصل نے ریاض کو واپس اپنے قبضہ میں لے لیا اور ابنِ رشید کو جو کہ ریاض پر متقرر تھا گرفتار کر لیا۔ اہلِ قصیم سے ابن رشید کے خلاف معاہدہ کر لیا۔ ابن رشید کو جب معلوم ہُوا تو ۱۳۰۸ھ کو ایک لشکر جرّار لے کر بڑی سرعت سے جنگ کے لئے آمادہ ہُوا۔ ملیدا کے مقام پر جنگ ہوئی۔ عبدالرحمٰن کے حامیوں کو شکست فاش دی اور بڑی کثرت سے لوگ قتل ہوئے عبدالرحمٰن الفیصل بھی اپنی فوج لے کر نکلا مگر موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ اُسے معلوم ہُوا کہ ابن رشید ایک زبردست لشکر ریاض پر چڑھائی کے لئے تیار کر رہا ہے۔

جب اُس نے اندازہ کیا تو اُسے اپنی جماعت میں سکت نظر نہ آئی اور اُسے اپنے انصار بکھرے نظر آئے۔ یہ دیکھ کر اُس نے احساء کی راہ اختیار کی وہاں سے قطیف اور قطر ہوتا ہُوا کویت پہنچا۔ کویت کے امیر کے ہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا یہ ۱۳۰۹ھ کا واقعہ ہے جب کہ آلِ رشید مستقل طور پر نجد کے حکمران بن گئے۔ اور یہاں آ کر سعودی حکومت کا دوسرا دور ختم ہُوا۔

سعودی حکومت کا تیسرا دور

ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی کی ولادت اور پرورش

ملک عبدالعزیز ذی الحجۃ ۱۲۹۷ھ میں امیر عبدالرحمن بن فیصل بن ترکی کے گھر ریاض میں پیدا ہوا۔ یہ وہ دور تھا جبکہ اُن کے چچے آپس میں جنگ وجدال میں مبتلا تھے۔ ہر شخص اپنی امارت کے لئے کوشاں تھا۔ دوسری جانب آلِ رشید ان سے برسرِپیکار تھے۔ حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل رہی تھی اور سعودی مملکت کو زوال آرہا تھا۔ ملک عبدالعزیز نے بچپن میں اُن واقعات کا مشاہدہ کیا جس نے سعودی مملکت کو ہلا دیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جس نے سعودی مملکت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ نجد سے خروج اور جلاوطنی کے وقت اُن کے باپ نے انہیں ساتھ لیا اور اپنے پورے اہل وعیال سمیت بنی مرہ کے پاس ٹھہرے اس کے بعد وہاں سے کویت منتقل ہوئے۔ ان جملہ واقعات نے ملک عبدالعزیز کے دل پر ایک بہت گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اور اُسے مشقتیں برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ تکالیف کو برداشت کرنے اور مصائب کے وقت صبر کرنے کی خوب اچھی طرح تربیت حاصل کر لی تھی یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر آپ کی زندگی میں اور جنگی کارناموں میں یہ چیز آپ کے اندر بدرجہ اُتم موجود تھی۔

کویت کی اقامت میں بھی انہوں نے گیارہ سال خوب حالات کا مشاہدہ کیا۔ اور اچھی خاصی پختگی حاصل کی۔ ملکی سیاست پر آپ کی نظر بہت وسیع ترقی اور سیاسی نشیب وفراز کو خوب سمجھ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کویت ان دنوں روس، جرمن، ترکی، اور انگریز کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ تمام ملک اس وقت

اس چینز کے درپے تھے کہ کس طرح کویت کے امیر مبارک الصباح پر اپنا اثر ڈالیں اور مختلف طریقوں سے اُس سے خدمت حاصل کی جائے۔ ان تمام ملکوں کے مندوب یہاں اِس کوشش میں مصروف تھے۔ ادھر شیخ مبارک الصباح ان مختلف حالات سے دوچار اور اِس کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور اپنی مصلحتوں کے پیش نظر ان تمام سے خدمت کے حصول کی کوشش میں تھا۔ آخر کار کویت انگریز کے جال میں پھنس کر اُس کا شکار بن گیا۔ چنانچہ ۱۳۱۷ھ میں انگریزوں نے کویت کی حمایت کا اعلان کر دیا ملک عبد العزیز اس عرصہ میں ابتدائی زندگی گذار رہا تھا۔ آپ کو وہاں تعلیم حاصل کرنے اور بہت کچھ استفادے کا موقع بھی ملا۔

ملک عبد العزیز کا پہلا جنگی کارنامہ

اتراک نے جب سعودی حکومت کو نجد سے ختم کر دیا۔ اُس کے سامنے امیر کویت کی ایک حکومت تھی جس سے وہ خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ والی کویت احسا اور نجد کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف والی کویت نے انگریز سے معاہدہ کر لیا یہ بھی ترکوں کے خلاف تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ اِس معاہدہ سے انگریز کبھی نہ کبھی ترکی حکومت پر قبضہ جمائے گا۔ اِس لئے اتراک نے عبد العزیز بن متعب آلِ رشید کو مضبوط کرنا چاہا۔ اُسے بہت اسلحہ مال اور ساز و سامان دے کر امیر کویت کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ کیا۔ امیر کویت بھی ترکوں کی چالوں سے غافل نہ تھا اُس نے ۱۳۱۸ھ کو ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ملک عبد العزیز کی قیادت میں نجد کے امیر عبد العزیز بن متعب آلِ رشید سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ یہ پہلی جنگ ہے جس میں ملک عبد العزیز ایک مجاہد کی حیثیت سے میدان میں نکلا اور فوج کی قیادت کی۔ دونو طرف

سے لشکر تیار تھا۔ اس جنگ میں اجنبیوں کا ہی مفاد تھا۔ عرب لڑ رہے تھے۔ ترک اور انگریز اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے تھے۔ اس موقع پر خود ملک عبد العزیز نے شیخ مبارک امیر کویت سے درخواست کی کہ انہیں ایک فوج کا قائد بنا کر ریاض پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا جائے تاکہ ابن رشید کی قوت کو توڑ دیا جائے۔ شیخ مبارک امیر کویت نے ملک عبد العزیز کی قیادت میں ایک ہزار کا لشکر تیار کر کے روانہ کیا۔ لشکر جنوب سے مغرب کی جانب بڑھا اور اچانک ریاض میں داخل ہو کر ریاض پر قبضہ کر لیا۔ ریاض کی فوج قلعہ میں بند ہو گئی۔ ملک عبد العزیز نے اُن کا چار ماہ تک محاصرہ کیا۔ قلعہ کی ایک جانب توڑ کر انہیں ہتھیار پھینکنے پر مجبور کیا۔ مگر عین اُس وقت ملک عبد العزیز کو یہ خبر ملی کہ شیخ مبارک صریف کے مقام پر شکست کھا کر کویت واپس لوٹ گیا ہے۔ یہ سُن کر وہ دل برداشتہ ہُوا اور ریاض کا حصار چھوڑ کر وہ بھی کویت واپس لوٹ آیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک عبد العزیز اس وقت ریاض پر پوری طرح قبضہ تو نہ جما سکا۔ مگر بہت سی نئی معلومات سے مستفید ہُوا۔ ریاض اور اہل ریاض کو خوب اچھی طرح سے پہچان لیا۔ اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اہل ریاض سعودی حکومت کے دوبارہ واپس لوٹنے کو کتنی اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آل رشید کی حکومت کو وہ بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان تمام چیزوں نے ملک عبد العزیز کے جذبات کو حرکت دی اور اُس کے ارادہ کو پختہ کیا کہ وہ اپنے آبائی ملک کو پھر دوبارہ حاصل کرے۔

ملک عبد العزیز کا ریاض پر قبضہ

جب سے ملک عبد العزیز کویت واپس آیا اپنے باپ کو اس بات پر آمادہ کرتا

رہا کہ وہ امیر کویت سے ریاض پر دوبارہ حملہ کی اجازت طلب کرے۔ امیر کویت نے اس کی اجازت دے دی یہ سوچ کر کہ یہ جنوب میں آلِ رشید سے مشغول رہیں گے اس طرح اُسے بھی کچھ آرام کا موقع مل جائے گا۔ امیر کویت نے ملک عبدالعزیز کو چالیس اونٹ تیس بندوقیں اور دو سو ریال امداد دی۔ ملک عبدالعزیز کے ساتھ اُس وقت چالیس آدمی تھے۔ جو کہ سارے سعودی خاندان اور اُن کے خدام میں سے تھے۔

یہ چھوٹا سا مجاہدین کا قافلہ ملک عبدالعزیز کی قیادت میں نکلا جو کہ سعودی خاندان کے لئے مختلف قبائل کی مدد کا طالب تھا۔ قبیلہ عجمان، آل مرۃ اور قبیلہ سبیع میں سے ڈیڑھ ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان کے بازو مضبوط کرنے کا عہد و پیمان کیا صف آرا ہو کر اُن قبائل پر شبخون مارنے شروع کئے جو کہ ابن رشید کے حامی تھے۔ قبیلہ مطیر اور قحطان کو شکست فاش دی اور بہت سارا مالِ غنیمت اُن سے حاصل کیا۔ احسا کو اپنا مرکز بنایا۔ ابن رشید نے ان حالات کو دیکھ کر ترکیہ سے مدد طلب کی کہ کسی طرح ابن سعود کو احسا سے باہر نکالا جائے۔ جب ترکیہ ابن رشید کی مدد کے لئے تیار ہوا۔ تو ملک عبدالعزیز کے گرد جمع ہونے والے قبائل تتر بتر ہو گئے۔ اُس کے ساتھ صرف چالیس آدمی رہ گئے جن کے ساتھ وہ کویت سے نکلا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر اُن کے والد اور کویت کے امیر شیخ مبارک نے انہیں خط لکھا۔ جس میں اُس سے مطالبہ کیا کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ ملک عبدالعزیز نے واپسی سے انکار کر دیا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ربع الخالی کے کنارے واقعہ جبرین پہنچا۔ وہاں سے بیس آدمی اور ان میں شامل ہو گئے۔ کافی دیر اس مقام پر ٹھہرے رہے دشمن نے یہ خیال کر لیا کہ صحرا نوردی نے ان کو ہلاک کر دیا ہو گا۔ ان کی تلاش چھوڑ دی۔

جب اطمینان ہوگیا کہ دشمن اب ان سے بالکل غافل ہوگیا ہے۔ ۵ رمضان ۱۳۱۹ھ کو یہ قافلہ ریاض کی طرف متوجہ ہُوا۔ رات کو چلتے تھے اور دن کے وقت چھپ جاتے تھے۔ آخر شوال کی پانچویں رات کو ریاض پہنچ گئے۔ اپنے ساتھیوں میں سے بیس آدمیوں کو ریاض سے دو گھنٹہ کی مسافت پر چھوڑ دیا۔ خود چالیس آدمیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ جب شہر کی فصیل نظر آنے لگی تو اپنے بھائی محمد کو تیس آدمیوں کے ساتھ وہاں کھڑا کر دیا۔ اور خود دس آدمیوں کو ساتھ لے کر شہر کی دیوار پھلانگ گیا۔ ابن رشید کا عامل عجلان جو کہ ریاض کا امیر تھا۔ اُس کا قصد کیا۔ اُس کا گھر چونکہ قلعے کے اندر تھا اس لئے ملک عبدالعزیز اور آپ کے ساتھی ایک گوالے کے مکان سے چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔

ملک عبدالعزیز بذات خود عجلان کے گھر میں داخل ہو گیا۔ مگر عجلان کو اُس کے بستر پر نہ پایا۔ عجلان کی بیوی اور بہن کو وہاں پا کر اُن سے عجلان کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ صبح وہ قلعہ کے داخلی حصہ سے باہر نکلے گا۔ ملک عبدالعزیز نے ان کا کمرہ باہر سے بند کر دیا تاکہ وہ شور نہ مچائیں اور محل میں کسی کو خبر نہ کر دیں۔ اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو روانہ کیا کہ وہ اُن کے بھائی اور اُن کے ساتھ والی جماعت کو جلدی سے بلا لائیں۔ اب کیا تھا چالیس آدمیوں پر مشتمل مجاہدین کی ایک جماعت عجلان کے گھر جمع تھی۔ ساری رات غور و فکر میں گذار دی۔ کہ دشمن پر قابو کیسے پایا جائے۔ وہ دن کے چڑھنے اور سورج کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ یہ بھی خیال کر رہے تھے کہ صبح ہوتے ہی یا تو فتح اُن کے قدم چومے گی۔ یا پھر قبروں میں بسیرا ہو گا۔ فیصلے کی گھڑی آ گئی قلعے کا دروازہ کھلا۔ ملک عبدالعزیز اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا دروازہ کھلتے ہی اُس کی طرف دوڑا۔ آپ کے ساتھ ہی آپ کے پندرہ ساتھی بھی پیچھے دوڑے۔ اُن کے دروازے

پر پہنچنے سے پہلے ہی عجلان قلعہ سے اپنے گھر کی طرف نکلا۔ اچانک حملہ نے اُسے حیرت میں ڈال دیا۔ بہت خطرناک مقام دیکھ کر وہ الٹے پاؤں قلعے کی طرف واپس لوٹنے لگا تاکہ وہ وہاں جا کر چھپ جائے۔ ملک عبدالعزیز نے اُس پر فوراً ایک فائر کر دیا مگر نشانے پر نہ بیٹھا۔ اُس کے پیچھے بھاگا اور اُسے دروازے پر پکڑ لیا کچھ دیر کے لئے گتھم گتھا ہوئے۔ عجلان کے سپاہیوں کو خبر ہوئی انہوں نے حملہ کرنے والوں پر گولیاں برسانا شروع کر دی۔ جس سے دو آدمی قتل اور چار زخمی ہوئے۔ ملک عبدالعزیز کے آدمی پیچھے ہٹے صرف ملک عبدالعزیز کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جلوی ساتھ رہ گئے عجلان نے کوشش کی اور وہ ملک عبدالعزیز کے ہاتھوں سے چھوٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور قلعے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ابن جلوی بھی اس کے پیچھے قلعہ کے دروازہ میں گھس گیا اور ایک ایسی گولی ماری کہ اُسے زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ملک عبدالعزیز نے یہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو زور سے پکارا وہ قلعہ پر ٹوٹ پڑے۔ آگے آگے ابن جلوی اور پیچھے سے تمام مجاہدین نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ فوج جو قلعہ کی حفاظت میں تھی اکثر کا صفایا کر دیا اور باقیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ ۵ شوال ۱۳۱۹ھ کو قلعہ اور شہر دونوں پر قبضہ کر لیا۔ ریاض کے شہر بازاروں اور گلیوں میں "اَنَّ الْحُکْمَ لِلّٰہِ ثُمَّ لِعَبْدِ الْعَزِیْزِ بِنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْفَیْصَلِ آلِ سُعُوْدٍ" کا اعلان کر دیا گیا۔ یعنی حکومت اللہ کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود کی ہے۔ ریاض کی فتح ایک عظیم الشان اور بہت ہی نرالی فتح تھی۔ جو کہ سعودی مملکت کا ایک بہت ہی عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے ان کی حکومت کو برگ و بار آئے۔ شبہ جزیرۂ عرب کے اکثر و بیشتر حصے سعودی حکومت میں شامل ہو گئے اور ایک مستقل حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

سعودی مملکت اِس وقت چار بڑی اقلیموں کا مجموعہ ہے۔ جو کہ نجد، احسا، حجاز

اور عسیر پر مشتمل ہے۔ سعودی مملکت کے دورِ اول میں سعود الکبیر نے اس مملکت کی طرح ڈالی تھی۔ ملک عبد العزیز کی کوششوں سے کھوئی ہوئی عظمت اور چھنا ہوا ملک پھر قبضہ میں آیا۔ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے ملک کو پھر دشمن کے ہاتھوں سے واپس لیا ملک عبد العزیز کو اس سلسلہ میں بہت بڑا جہاد کرنا پڑا۔ یہ مردِ مجاہد اور بطل عظیم ایسے ایسے معرکوں میں ڈٹا رہا کہ اولوالعزم لوگ ہی اس مقام پر ٹھہر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی ان کے نام لکھی ہوئی تھی۔ اس کی امیدیں پوری ہوئیں اور اجڑے گلستان میں پھر سے بہار آئی۔ شیخ محمدؒ بن عبد الوہابؒ کا لگایا ہوا باغ پھر سرسبز ہوا۔ اور توحید و سنت کی پھر سے نشر و اشاعت ہونے لگی۔

آئندہ چل کر ہم مستقل طور پر ملک عبد العزیز کے جہاد اور جنگوں کا ذکر کریں گے اور بتائیں گے کہ انہوں نے ہر منطقہ اور خطہ کو کس طرح واپس لیا اور اس دوران میں انہیں کیا کچھ کرنا پڑا۔ آئندہ ترتیب یوں ہو گی (۱) آل رشید سے نجد کی امارت کو واپس لینا۔ (۲) اتراک کے قبضہ سے احسا کو واپس لینا (۳) اشراف کے ہاتھوں حجاز کی واپسی۔ (۴) آل عائض اور ادراسہ کے ہاتھوں بلادِ عسیر کی واپسی۔

آل رشید سے نجد کی امارت کی واپسی

"خرج اور جنوبی علاقوں پر قبضہ"

ملک عبد العزیز خداداد سیاسی بصیرت اور عسکری فہم و شعور کی بنا پر خوب جانتا تھا کہ اُس کا مدِ مقابل عبد العزیز بن متعب آلِ رشید ریاض کی شکست پر کبھی خاموش نہیں رہے گا۔ اور وہ ملک عبد العزیز کو ریاض سے نکالنے اور اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی انتہائی کوشش کرے گا۔ اِس لئے ملک عبد العزیز نے اپنی حفاظت اور

دفاع کا پورا بندوبست کیا۔ ریاض کی حمایت اور حفاظت کے لئے اُس کے چاروں طرف نئی فصیل قائم کی۔ اِس کے بعد جنوب کا رخ کیا تاکہ اپنی امارت کو وسعت دے اسی دوران میں نئے انصار پیدا کرنے کی بھی کوشش کی۔ اہل ریاض پہلے ہی سے اِن کے حامی تھے۔ باہر نکلتے ہی خمرج، حوطہ، حریق افلاج اور وادی دواسر پر قبضہ جمالیا۔ وہاں سے اپنے باپ عبدالرحمٰن الفیصل کو خط لکھا تاکہ وہ کویت سے ریاض واپس آئیں اور اُن کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کی جائے۔ باپ نے امارت سے انکار کر دیا اور اپنے بیٹے کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کی۔

ابن رشید کا کویت کی جانب رُخ اور ناکامی

ابن رشید نے ابتداء میں ابن سعود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنی ساری توجہات کویت کی طرف مبذول کر دیں۔ اُس کا خیال تھا کہ کویت پر قبضہ کرنے کے بعد ریاض سے ابن سعود کا نکالنا بہت آسان ہو جائے گا۔ مگر وہ کویت تک نہ پہنچ سکا اور مایوس ہو گیا۔

ریاض پر ابن رشید کی چڑھائی اور ناکامی

وہاں سے ریاض پر چڑھائی اور ہجوم کا ارادہ کیا مگر بُری طرح سے ناکام ہوا۔ ابن سعود نے اُس کا پیچھا کیا جب کہ وہ ریاض سے یہ اعلان کر کے نکلا۔ کہ اُس کا باپ کے ساتھ اختلاف ہو گیا ہے اور وہ ابن رشید سے بھی ڈر رہا ہے۔

ابنِ سعود کی حکمت اور ابن رشید کی ناکامی

ابن رشید کو جب یہ خبریں پہنچیں تو وہ پھر ریاض کی طرف پلٹا تاکہ اُس پر قبضہ

کرے جب ریاض کے قریب پہنچا تو اُس کو صحیح خبروں کا علم ہوا کہ ابن سعود کامل استعداد کے ساتھ اِن کا راستہ روکنے کے لئے آمادہ ہے اور یہ بھی پتہ چلا کہ ابن سعود اس وقت الحائر میں ہے۔ اِن اسباب کی بنا پر اُسے حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔ وہاں سے دلم کی طرف رُخ کیا۔ بس اب کیا تھا وہ اُس جال میں پھنس چکا تھا جس کو کہ ابن سعود نے اُس کے لئے نصب کیا تھا۔ دلم کے نخلستانوں کے درمیان دونوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ مسلسل چھ گھنٹے تک اُن میں خوب زور کی جنگ ہوئی۔ آخر پسپا ہو کر اپنے معسکر کی طرف لوٹا۔ وہاں سے دوسرے دن سلمیہ پہنچا۔ ابن سعود نے پوری طرح سے اُس کا تعاقب کیا وہ سلمیہ میں ہی قیام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ابن سعود نے اُسے وہاں سے نکال دیا اور وہ شمال کی جانب بھاگ نکلا۔ اس کے بعد ابن سعود کے قدم خرج اور منطقہ جنوبیہ میں بھی خوب اچھی طرح جم گئے۔ گویا اب ریاض حدِ فاصل بن گیا تھا۔ ریاض کے جنوبی جانب کا علاقہ ابن سعود کے قبضہ میں تھا اور شمالی علاقہ پر ابن رشید کا اقتدار تھا۔

وشم اور قصیم پر قبضہ

سنہ ۱۳۲۱ھ میں عبد العزیز آلِ سعود اور عبد العزیز آلِ رشید کے درمیان ایک عظیم الشان معرکہ تھا۔ جو کہ وشم اور قصیم کی دونوں اقلیموں کے گرد گھوم رہا تھا۔ کتنے چھوٹے چھوٹے معرکے اور اشتباکات رونما ہوئے۔ آخر ابن سعود کو شیخ مبارک کی جانب رخ موڑنا پڑا۔ کیونکہ ابن رشید نے شیخ مبارک پر کویت میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا تو اُس نے کویت کو چھوڑ کر ریاض کا رخ کیا اور اچانک اُس پہ حملہ کر کے قبضہ جمانا چاہتا تھا۔

ابن رشید کا دوبارہ ریاض کا قصد اور ناکامی

امیر ابن سعود کی غیر حاضری غنیمت خیال کر رہا تھا۔ ریاض کے قریب پہنچ کر
ابو مخروق کے قریب اس طرح خاموشی سے خیمہ زن ہوا کہ کسی کو ریاض میں کانوں کان
خبر نہ ہو۔ مگر اُسی کے لشکر میں سے کسی نے ریاض پہنچ کر ریاض والوں کو اس کے ارادے
سے آگاہ کر دیا۔ امام عبدالرحمٰن اُس وقت ریاض میں موجود تھا چوکنا ہوا۔ فوراً فوج
تیار کر کے اُس کا راستہ روکا وہاں سے ابن رشید کو نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ وہاں سے
ابن رشید نے وشم کا رخ کیا۔ امام عبدالرحمٰن کو جب اس کا قصد معلوم ہوا تو فوراً ابن
سویلم کی قیادت میں ایک چھوٹا سا لشکر تیار کر کے وشم فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔
پس انہوں نے جاتے ہی محمل، شعیب، شقرا، اور ثرمدا، پر قبضہ کر لیا۔ جب ابن سعود
کو کویت میں یہ خبر ملی کہ سعودی فوج وشم کا محاصرہ کئے ہوئے ہے تو وہ فوراً وہاں
سے واپس لوٹا۔ آتے ہی وشم اور سدیر کو فتح کر لیا اور ابن رشید کو وہاں سے
قصیم کی طرف دھکیل دیا۔ احمد سدیری کو اس پورے منطقہ کا امیر مقرر کر دیا۔ اور
شقرا کو اُس کا مرکز بنا دیا۔ اس کے بعد خود ریاض واپس لوٹ آیا۔

قصیم اور عنیزہ کی فتح

ریاض واپس آتے ہی قصیم کے حصول کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنے خاندان
کے تمام افراد کو جو کہ کویت میں مقیم تھے ریاض بلا لیا اس کے علاوہ سابقہ سعودی امرا
کو بھی ریاض آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ محرم ۱۳۲۲ھ کو ایک منظم فوج تیار کر کے
عنیزہ پر حملہ کر دیا۔ ابن رشید کی فوج نے شکست فاش کھائی اور اُن کا قائد قتل کر دیا
گیا۔ ابن سعود نے بعض اپنے خاندان کے لوگوں کو رہا کرایا جو حائل میں امیر تھے۔ بہر حال

عنیزہ فتح ہُوا اور آل سلیم کو وہاں کی امارت سونپ دی گئی۔ اس کے بعد بریدہ پر کشی کی بریدہ والوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ مگر وہاں کی متعین فوج نے ہتھیار نہ ڈالے بلکہ قلعہ بند ہو گئے۔ بہرحال دو ماہ تک اُس کا محاصرہ کیا گیا آخر وہاں کی فوج نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ربیع الاول ۱۳۲۲ھ میں پوری طرح سے قصیم پر سعودیوں کا قبضہ ہو گیا۔

بکیریہ اور شنانہ کا معرکہ

ابن رشید مسلسل شکست کھا کر اتراک سے مدد طلب کرنے کے لئے عراق پہنچا عراقی شمر قبیلہ کے عربوں سے مدد طلب کی اور انہیں ابن سعود کے خلاف آمادہ کیا۔ انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ اُدھر ترکی حکومت نے انہیں کافی مدد دی۔ مختلف ساز و سامان کے علاوہ بارہ فوجی دستے اور چودہ توپیں دیں۔ ابن رشید یوں تقویت حاصل کر کے بریدہ کے قریب بکیریہ کے مقام پر خیمہ زن ہُوا۔ ابن سعود کو پتہ چلا مقابلہ کے لئے نکلا دونوں لشکروں کے درمیان بہت خونریز جنگ ہوئی دونوں فریقوں کو بہت بڑا خسارہ اٹھانا پڑا۔ عرب کی تمام جنگوں میں اس سے پہلے اتنا خسارہ کبھی نہیں ہُوا تھا۔ ابن سعود کے لشکر میں سے نوسو آدمی قتل ہُوئے جن میں چھ سو پچاس اہل ریاض میں سے تھے۔ حکومت ترکی کے ایک ہزار آدمی قتل ہوئے جس میں تین سو آدمی حائل کے تھے۔ معرکہ بڑے زوروں پر تھا مگر کوئی بھی ایک دوسرے پر کامیاب نہ ہو سکا۔ ابن سعود کو یہ معاملہ مشکل نظر آیا۔ ارادہ کیا کہ جنوب کی جانب واپس لوٹے اور ایک نیا لشکر تیار کر کے پہلے خسارے کو پورا کرے۔ اہل قصیم نے انہیں وہیں ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ اُن کے مجبور کرنے پر وہاں رُک گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بارہ ہزار کا لشکر عتیبہ اور مطیر کے قبائل سے

جمع ہو گیا۔ اس فوج سے ابن سعود ابن رشید کو بکیریہ سے رس کی طرف نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں سے بھی اُس کا تعاقب کیا گیا اور اُسے شنانہ میں دھکیل دیا۔ تین ماہ مسلسل دونوں فریقوں میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے۔ یہاں تک کر ہیضہ کی بیماری پھیل گئی اور دونوں فریق دل برداشتہ ہو گئے۔ فہد الرشودی کے ذریعہ ابن سعود نے ابن رشید سے صلح کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بدو اتنا لمبا عرصہ صبر کہاں کر سکتے تھے وہ دونوں فریقوں میں سے بھاگنے لگے۔ ابن رشید اپنی جگہ چھوڑ کر کوچ کر رہا تھا کہ ابن سعود کے گھوڑ سواروں نے اُس کا پیچھا کیا۔

ابن رشید کو بھاگ نکلنے کے بعد رُکنا پڑا۔ اسی دوران میں اُس نے ابن عقیل کے محل پر قبضہ کرنا چاہا۔ سعودی فوج نے بہت بڑا دفاع کیا اور اُس کے محاصرے کو ناکام بنا دیا۔ ابن رشید مجبور ہو کر وہاں سے وادی رمہ میں داخل ہوا اور شنانہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ وہاں بہت بڑی خونریز جنگ ہوئی ترک فوج بھاگ نکلی ابن رشید نے شکست کھائی اُس کے ساتھی دُم دبا کر بھاگ نکلے سعودی لشکر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اور دشمن کا تعاقب چھوڑ دیا۔ مالِ غنیمت اتنا تھا کہ اُسے جمع کرتے دس دن صرف ہو گئے۔ سونے کے بھرے صندوق۔ آلاتِ حرب۔ بستر کپڑے استعمال کے ضروری سازوسامان کے علاوہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں کثیر تعداد میں ہاتھ آئیں۔ ابن سعود نے تمام مالِ غنیمت اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ اس جنگ نے ترکوں کو ختم کر دیا اہل نجد بہت کثیر تعداد میں مالِ غنیمت لے کر لوٹے۔ قصیم کے علاقہ میں ابن سعود کے قدم مضبوط ہو گئے۔ ابن رشید شکست خوردہ وہاں سے حائل پہنچا۔

روضۂ مہنا کا معرکہ

۱۳۲۴ھ میں ترکوں نے پھر سے نجد کے معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی۔ قصیم کے حالات اہل قصیم کے تفرق اور تشقق کی بنا پر بہت کچھ مختلف ہو چکے تھے ایک فریق ابن سعود کی حکومت کا خواہاں تھا۔ دوسرا فریق آلِ رشید کو چاہتا تھا۔ ایک تیسرا فریق ترکوں کی حکومت کا خواہاں تھا۔ ابن سعود قصیم چھوڑ کر قطر کی جانب چلا گیا اور یہ ظاہر کیا کہ جیسے وہ قصیم سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہتا ہے۔ قطر کے امیر شیخ قاسم نے ابن سعود کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا تھا وہ اُس کی مدد کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ اِدھر ابن رشید نے موقع کو غنیمت جانا کہ ابن سعود وہاں سے نکل چکا ہے۔ حائل پر قبضہ کر کے دوسرے قریٰ کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی۔ اِن حالات کے پیشِ نظر اہل قصیم نے ابنِ سعود سے مدد طلب کی۔ وہ جنوب کی جانب سے اُن کی مدد کے لئے روانہ ہوا۔ بعض اہلِ قصیم ابن سعود کی بیعت کو چھوڑ کر اُس کے دشمن کے ساتھ جا ملے۔ مگر فیصل الدویش اور اُس کے قبیلہ نے یہ نقص پورا کر دیا۔ وہ ابن سعود کی فوج کے ساتھ شامل ہو کر زلفی کی طرف بڑی سرعت سے روانہ ہوئے۔ ابن رشید کی تلاش میں تھے روضۂ مہنا میں اُسے جا پایا۔ رات کے اندھیرے میں دونوں لشکروں میں مٹھ بھیڑ ہوئی۔ ابن رشید کی فوج کے بعض دستوں نے پیچھے پلٹنا شروع کیا۔ سعودی لشکر نے بڑی سرعت سے اُن کی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ ابن رشید جب کہ اپنے فوجیوں پر گشت کر رہا تھا اور اُن کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ اُس کا گذر ایک ایسے مرکز پر سے ہوا جس کو اس کے فوجی خالی کر چکے تھے اور سعودی فوج نے اُس پر قبضہ جما لیا ہوا تھا۔ ابن رشید کو اس بات کا علم نہ تھا۔ اندھیرے میں وہ اِس کا مشاہدہ بھی نہ کر سکا۔ اُس نے اپنے

مرکز والوں کو پکارا۔ سعودی دستوں نے اُس کی آواز کو پہچان لیا۔ اپنی بندوقوں سے گولیاں اُس پر برسانے لگے۔ وہ بے ہوش کر زمین پر گھر پڑا۔ بیس سے زیادہ گولیاں اُس کے اندر داخل ہو چکی تھیں۔ بس اب کیا تھا اپنے آدھے ملک کے ساتھ ہی ساتھ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

ابن رشید کے ساتھ صلح

عبدالعزیز بن متعب آل رشید کے قتل کے بعد اُس کا بیٹا متعب بن عبدالعزیز حائل کا امیر مقرر ہوا۔ باپ کے قتل کے بعد بیٹا صلح کی طرف مائل ہوا۔ فریقین میں مفاہمت ہونے لگی۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ حائل اور جبال شمر آل رشید کے قبضہ میں۔ اور باقی تمام نجد اور قصیم کا پورا علاقہ ابن سعود کے قبضہ میں رہے۔

صلح کا ٹوٹ جانا اور بعض قبائل کا ابن سعود کے خلاف کھڑے ہو جانا

معرکۂ طرفیہ

صلح ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گذری تھی۔ کہ اس صلح کو توڑ دیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ امیر متعب بن عبدالعزیز آل رشید کو سلطان بن حمود آل عبید الرشید نے اچانک قتل کر دیا۔ اور خود امیر بریدہ ابوالخیل کو ساتھ ملا کر مطیر کے رئیس فیصل الدویش اور ہذال عمارات کے رئیس کو ساتھ ملا کر ابن سعود کے خلاف علم بغاوت بلند کیا الشیخ مبارک الصباح بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اِن حالات کے پیش نظر ابن سعود فوراً اٹھا اور سب سے پہلے اچانک سدیرہ کے مقام کے قریب الدویش پر حملہ کر دیا۔ الدویش کی تمام فوج تتر بتر ہو گئی۔ اُن کے تمام اموال اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ الدویش

نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابن سعود نے اُسے معاف کر دیا

اس کے بعد ابن سعود نے ابو الخیل ابن رشید اور اُن کے خلفاء جو کہ مختلف قبائل سے مجتمع تھے بڑی شدت سے حملہ کیا ۱۳۲۵ھ میں طرفیہ کے مقام پر ایک معرکۃ الآراء جنگ ہوئی شام سے صبح تک جنگ ہوتی رہی آخر ابن سعود کو فتح نصیب ہوئی اور اُس کے دشمن دم دبا کر میدان سے بھاگ نکلے۔

ابو الخیل کا انجام

اہلِ بریدہ نے ابن سعود کو لکھا کہ وہ جلدی بریدہ آئیں اور انہیں ابو الخیل سے نجات دلائیں ابن سعود نے بکیریہ میں اجتماع کیا اور وہاں سے بریدہ پر رات کے وقت حملہ کر دیا۔ صبح تک جنگ جاری رہی۔ فوجیوں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ ابو الخیل کا ایک دن اور رات محاصرہ رہا آخر اُس نے امان طلب کی ابن سعود نے اُس کو امان دی۔ وہ وہاں سے عراق چلا گیا۔ دوسری دفعہ پھر ابن سعود کے عہدِ حکومت میں بریدہ واپس آیا اور اُس کی امان میں وقت گذارا۔

جراب کا معرکہ

۱۳۳۲ھ میں جب عالمگیر جنگ شروع ہوئی۔ ابن سعود اس دوران میں کنارہ کش ہو کر بیٹھا تھا۔ اس دوران میں ابن رشید نے ترکوں سے دوبارہ معاہدہ کیا۔ ترکوں نے ابن رشید کو مدد دی۔ انگریز نے اس دوران میں ابن سعود کا ہاتھ بٹایا اور مدد دی۔ دونوں فریقوں میں ایک خونریز جنگ قصیم کے علاقہ میں جرابہ کے مقام پر ہوئی جو کہ معرکہ جراب سے مشہور ہے

دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی کسی پر غلبہ نہ پا سکا۔ مگر دونوں جانب سے بدو کامیاب ہوئے خوب مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ اِسی جنگ میں شکسپیر انگریزی جرنیل قتل ہُوا۔

جراب کے معرکہ کے بعد چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ پھر دونوں میں ۱۳۳۷ھ میں صلح ہوئی۔

فتحِ حائل

صلح زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ شریف حسین نے ابنِ رشید کو ابن سعود کے خلاف برانگیختہ کیا اور صلح کے توڑنے پر آمادہ کیا۔ اس کے چند دن بعد ہی سعود بن عبد العزیز آلِ رشید اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن طلال کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ عین اُسی دن قاتل کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن متعب بن عبد العزیز آلِ رشید منصب امارت پر بیٹھا۔ امارت سنبھالتے ہی ابنِ سعود سے پھر دوبارہ صلح کی کوشش کی۔ ابن سعود نے شرط لگائی کہ حائل کے جملہ خارجی امور ملک ابن سعود کے سپرد کر دیئے جائیں۔ عبد اللہ بن متعب نے ان شرائط کو ٹھکرا دیا۔ اور جنگ کے لئے اعلان کر دیا۔ ابن سعود نے دس ہزار لشکر حائل پر چڑھائی کے لئے روانہ کر دیا۔ اور اپنے بھائی امیر محمد کو حکم دیا کہ اُس کا محاصرہ کر لیا جائے۔ اپنے بیٹے امیر سعود سے کہا کہ وہ شمر کے قبائل پر حملہ کر دے اور خود قصیم کی چھاؤنی میں مستعد اور تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ حائل کا ایک وفد آپ کے پاس پہنچا کہ حائل کے جملہ خارجی امور آپ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے آپ صلح کر لیں اب کے ابن سعود نے اُن کی خواہش کو ٹھکرا دیا۔ اور شرط پیش کی کہ جملہ ہتھیار اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ آلِ رشید کا پورا خاندان بھی اُن کے حوالہ کر

دیا جائے۔ انہوں نے ان شروط کو مسترد کر دیا۔ امیر سعود نے باپ کے فرمان کے مطابق قبائل شمر کا بہت شدید محاصرہ کر لیا۔ امیر سعود نے مسلسل دو ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ آخر حائل کا امیر عبد اللہ بن متعب ان کی طرف جھک گیا جب کہ اُس کو معلوم ہوا کہ جرف سے امیر محمد بن طلال جو کہ حائل کا امیر بنا ہے وہاں آ رہا ہے۔ محمد بن طلال نے آتے ہی سعودی قریٰ پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ابن سعود نے اپنے قائد فیصل الدویش کو لکھا کہ وہ فوراً حائل پر چڑھائی کر کے اُس کا محاصرہ کر لے۔ الدویش نے فوجوں کو حرکت دی اور حائل کے قریب یا طبہ کے چشمہ پر خیمہ زن ہوئے۔ وہاں سے جثامیہ آئے تو ابن طلال نے اُس سے ملاقات کی پھر اُس نے الدویش کو خط لکھا جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ طلب کیا۔ الدویش دھوکہ میں مبتلا ہو گیا اپنے فوجی اڈوں کی نگرانی میں تساہل برتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن طلال نے ان کا محاصرہ کر لیا اور اُن پر آگ برسانے لگے۔ الدویش نے سلطان عبد العزیز کو فوری خط لکھا جس میں اُن سے مدد کے لئے مزید فوج طلب کی۔ سلطان عبد العزیز نے فوری طور پر اپنے بیٹے امیر سعود کی قیادت میں ایک گھوڑ اسوار فوجی دستہ روانہ کیا۔ اخوان فتح یاب ہوئے۔ اس کے بعد مستقل طور پر اصل فوج بھی پہنچ گئی اور ابن طلال پر ہجوم کر دیا۔ وہ حائل کی طرف بھاگ نکلا۔ سعودی لشکر نے وہاں بھی اُس کا محاصرہ کر لیا۔ ابن سعود نے حائل والوں کو ہتھیار ڈالنے کے لئے لکھا۔ کہا کہ ہتھیار ڈال دو تو امان پاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ ابن طلال کی امارت کو باقی رکھیں۔ سلطان عبد العزیز نے اس سے انکار کر دیا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو ابن سعود نے اُن کو قتل سے ڈرایا۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے شہر کے تمام بیرونی علاقے اور قلعے ابن سعود کے سپرد کر دیئے۔ اُس نے ان تمام پر قبضہ جما لیا۔

اب کیا تھا۔ محمد بن طلال اندرونی قلعوں میں محصور ہوگیا۔ ابن سعود نے اُسے امان دینے کا وعدہ دیا بشرطیکہ وہ ہتھیار ڈال دے۔ جب اُس نے دیکھا کہ قدرت نے امارت اُس کے ہاتھوں سے چھین لی ہے تو ۲۹ صفر ۱۳۴۰ھ کو ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو ابنِ سعود کے حوالے کردیا۔ اس طرح حائل کی امارت بھی آلِ رشید کے ہاتھوں جاتی رہی۔ اب پورا نجد سلطان عبد العزیز بن سعود کے قبضہ میں آگیا۔

احسا کے علاقہ کی ترکوں کے ہاتھوں سے واپسی

احساء سعودی دورِ حکومت کی ابتداء میں اس کا ایک جزاور حصہ تھا۔ جس کو امیر سعود بن عبد العزیز نے اپنے باپ کے عہدِ حکومت میں ۱۲۰۶ھ میں فتح کیا تھا۔ اس کے بعد اس پر مصری قابض ہوگئے اور یہ علاقہ ترکی حکومت کے تابع ہوگیا۔ پھر دوبارہ اِس علاقہ کو فیصل بن ترکی نے حاصل کیا۔ اِس کے بعد اتراک پھر اِس پر غالب آئے جب کہ فیصل کے بیٹوں میں نزاع پیدا ہوا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

عبد العزیز بن سعود نے ترکوں کے ہاتھ سے اُس کی واپسی کا پختہ ارادہ کرلیا کیونکہ یہ انہی کے خاندان کا ایک علاقہ تھا۔ اور اس لئے بھی کہ ترکوں نے اس علاقہ کو ایک جنگی اڈہ بنا رکھا تھا۔ اور سعودی حکومت کے خلاف یہ ایک سیاسی مرکز بھی تھا یہاں سے بیٹھ کر وہ اپنے دشمن کا پورا اظہار کرسکتے تھے۔ شریف حسین کو یہاں سے انہوں نے برانگیختہ کیا کہ وہ سعودیوں کے خلاف جنگ کریں ادھر ابن رشید کو حائل میں اُبھارا دوسری جانب ابن السعدان کو عراق میں اِن کے خلاف آمادہ کیا۔ مطیر، حرب اور عجمان کے قبائل کو جو کہ اِن کے ساتھ محبت کا دم بھرتے تھے اپنی طرف مائل کیا۔

عبدالعزیز بن سعود اپنے لشکر کو لے کر احسا کی جانب بڑھا۔ اتراک اُس کے مقصد سے بالکل غافل تھے۔ ہفوف کے قریب ایک چشمہ کے پاس ڈیرہ لگایا لشکر کو ترتیب دی۔ اور پختہ جنگی تدبیر کے مطابق انہیں تیار کیا۔ یہ مشورہ ہُوا کہ فصیل کی دیوار پھلانگ کر پوری خاموشی اور سکوت سے قلعہ کے پاس پہنچ جائیں۔ اور یہ حکم صادر فرما دیا کہ سب آہستہ آہستہ اپنے ہدف اور نشانے کی طرف بڑھے چلیں۔ اور کوئی شور نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی کسی کو بلائے تو اُس کا جواب نہ دیا جائے۔ اور اگر تمہیں کوئی بندوق سے بھی مارے تو کوئی جوابی کارروائی نہ کی جائے۔ ہاں جب قلعہ میں پہنچ جاؤ تو پھر جو تم سے جنگ کرے اُس سے جنگ کرو اور جو تم سے صلح چاہے اُس سے صلح کرو۔ سنہ ۱۳۳۱ھ جمادی الاول رات کے دو بجے امام عبدالعزیز نے اپنے لشکر کو فصیل کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ جاتے ہی اس پر کھجوروں کے تنے نصب کئے۔ اور رسیاں لٹکائیں اور فصیل پر چڑھ گئے۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمل کیا۔ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قیادت کے اوامر نافذ کر دیئے۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی۔ مگر اُدھر جب ترکوں نے آنے والوں کی حرکات کو محسوس کیا تو آگ برسانی شروع کر دی امیر عبدالعزیز بن سعود نے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ جلدی سے فصیل پر چڑھ جائے اور زور سے پکار دے۔ کہ ملک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور پھر ابن سعود کے لئے۔ یعنی ملک اور حکومت ابن سعود کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اور کہا جو خیریت چاہتا ہے وہ اپنے اپنے مقام پر ٹھہر جائے۔ احسا والے بہت خوش ہوئے اور سعودی لشکر کو خوش آمدید کہا۔ اور اُن کی خوب مہمانی کی۔ ابن سعود کے ساتھ سمع اور طاعت کا عہد و پیمان کیا۔ ترک مجبور ہو کر قلعہ میں گھس گئے اور صبح ہوتے ہی انہوں نے بغیر سوچے سمجھے توپوں سے گولہ باری شروع

کر دی۔ امیر عبد العزیز بن سعود نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر ہتھیار ڈال دو تو امان پاؤ گے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دی امن و سلامتی پا کر انہوں نے وہاں سے نکل جانا پسند کیا۔ ابن سعود نے اپنے کرم کی بنا پر اُن سے ہتھیار نہ اتروائے۔ اور نہ ہی اُن کو بے ہتھیار کیا۔ عقیر کے مقام سے انہیں کشتیوں پر سوار کر کے بحرین روانہ کر دیا۔ ان میں سے بعض عقیر سے پھر دوبارہ واپس آگئے اور دوبارہ احساء پر غلبہ پانا چاہا۔ مگر اُن کی یہ تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں اور پھر دوبارہ نامراد واپس لوٹے۔

ابن سعود نے عبد الرحمن بن سویلم کی قیادت میں ایک چھوٹی فوج قطیف کی طرف روانہ کی اہل قطیف نے ہتھیار ڈال دیئے اور ترکیہ نے تمام مہمات اُن کے سپرد کر دیں اس طرح امیر عبد العزیز اپنی آبائی املاک اور حکومت کو واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ سعودی حکومت کی تکوین اور استحکام کے لئے انہوں نے بہت ہی مبارک قدم اٹھایا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب و کامران کیا۔

اشراف سے حجاز کی دوبارہ واپسی

سعودی حکومت کے دورِ اول میں حجاز بھی اس کی سلطنت کا ایک جز تھا۔ جب مصری اُس پر قابض ہوئے تو حجاز میں ان کا مکمل اقتدار تھا۔ اور جب وہ وہاں سے جلاوطن ہوئے تو اُن کی جگہ ترکوں نے سنبھال لی اور اُس کی امارت اشراف کے سپرد کر دی گئی۔ جدہ۔ مدینہ اور طائف میں انہیں فوجی اڈے قائم کر دیئے بعض عثمانی موظف اُن پر مقرر کئے جو عثمانی حکومت کی نگرانی میں تھے۔

گذشتہ صدی کے آخر میں شریف حسین کے تصرفات کے خطرہ کے باعث سلطان عبدالحمید ترکی نے اُسے اور اس کی اولاد علی، عبداللہ اور فیصل کو عثمانی مرکز میں واپس بلالیا۔ وہ پندرہ سال وہاں مقیم رہے۔ جب حکومت پر اتحادیوں کا قبضہ ہُوا انہوں نے شریف کو حجاز کی امارت کے لئے منتخب کیا۔ امارت قبول کرنے کے بعد جب ترکوں نے حجاز ریلوے لائن کا منصوبہ بنایا تو شریف حسین نے معارضہ کیا وہ چاہتا تھا کہ وہ حجاز پر مستقل طور پر قبضہ کرلے۔ اس لئے اُس نے حجاز ریلوے لائن بچھانے پر مخالفت کی وہ ڈرتا تھا کہ اس طرح ترکی فوج ہر وقت اُس پر مسلط رہے گی۔ آہستہ آہستہ اُس نے استقلال حاصل کرنے کی کوشش کی اور نجد پر قبضہ جمانے کے لئے بھی تدبیریں کرنے لگا۔ وہ اپنی سیاسی خوابوں کی تعبیر دیکھنا چاہتا تھا۔ عبدالعزیز بن سعود کی قوت سے اُس کا تصادم ہُوا۔ آل رشید جو کہ ابن سعود کا مدِ مقابل تھا اُسے مدد دینا شروع کی۔ اس کے علاوہ ابن سعود کے چچازاد بھائی جو کہ سعود بن فیصل کی اولاد سے تھے نجد سے باہر عبدالعزیز بن سعود کی مخالفت پر تلا ہُوا تھا۔ انہیں جگہ دی اور اسلحہ سے انہیں مسلح کیا تاکہ وقت پر اُن سے کام لیا جائے۔

شریف حسین اس بات کا خواہاں تھا کہ اتراک کی طرف سے اُسے پورا استقلال مل جائے اور حجاز کا خود مختار بن جائے۔ اتراک بھی اس کی اس رغبت کو بھانپ گئے تھے۔ اس لئے اُسے ابن سعود کی گوشمالی کے لئے مجبور کیا تاکہ اُن کا تسلط وہاں تک قائم ہو جائے اور وہ نجد میں رسمی طور پر ہی اتراک کی سیادت کو قبول کریں۔ اس لئے شریف حسین شہری اور دیہاتیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کرکے نجد کی طرف بڑھا سنہ ۱۳۳۰ھ میں قوبعیہ کے مقام پر جہاں عتیبہ کے منازل ہیں نازل ہُوا۔ اتفاق ایسا ہُوا کہ عبدالعزیز بن سعود نے اپنے بھائی سعد بن عبدالرحمٰن کو ایک وفد

کے ساتھ عتیبہ قبائل کی طرف بھیجا تاکہ اُن سے مدد طلب کرے اور جو لوگ اُن کے چچازاد بھائیوں نے جنوب میں پھیلا رکھی ہے اُسے فرو کیا جائے۔ اور یہ وہ وقت تھا جب کہ عتیبہ شریف حسین سے جوڑ چکے تھے۔ جب سعد بن عبدالرحمن اُن کے خیموں میں پہنچا تو انہوں نے اُسے پکڑ لیا اور شریف حسین کے سپرد کر دیا شریف حسین لشکر کو حرکت دیتے وشم پہنچ گیا۔ ابن سعود کو اپنے بھائی سعد بن عبدالرحمن کے متعلق خبر ہوئی کہ وہ شریف حسین کا قیدی بن چکا ہے تو جنوب کی طرف سے فوراً واپس لوٹا تاکہ اُس کو شریف کی قید سے چھڑایا جائے۔ شریف نے بھی ابن سعود کی جانب رُخ موڑا اور اُسے ڈرایا کہ اگر تم نے ہمارے اوپر حملہ کیا تو ہم چھاؤنی اور خیموں کو چھوڑ کر تمہارے بھائی کو لے کر مکہ روانہ ہو جائیں گے۔ اور اُس وقت تک اُسے نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو ہم سے صلح نہ کرو گے۔ شریف حسین نے الشریف خالد بن منصور بن لوئی جو کہ خرمۃ کا امیر تھا کو وفد کا امیر مقرر کر کے ابن سعود کی طرف روانہ کیا۔ شریف خالد اپنے آباؤ اجداد سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کو قبول کر چکے تھے۔ اس لئے وہ سیاسی طور پر سعودیوں سے محبت کا دم بھرتے تھے الشریف خالد شریف حسین کی شروط پر ابن سعود کو قانع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ شروط میں یہ طے پایا کہ نجد کی حکومت چھ ہزار مجیدی ریال ہر سال حکومت عثمانیہ کو ادا کرے۔ ابن سعود نے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے۔ یہ شروط بس کاغذی کارروائی تھی جو کہ شریف کو ترکوں کے پاس کچھ فائدہ پہنچا سکتی تھی مگر ابن سعود کو کچھ نقصان نہیں تھا۔ بہر حال اس طرح ابن سعود اپنے بھائی سعد بن عبدالرحمن کو شریف حسین کی قید سے چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔

تُربہ کا معرکہ

۱۳۳۷ھ میں جبکہ پہلی جنگ عظیم نے سر اٹھایا۔ ترکیہ اس جنگ میں انگریزوں

کے خلاف جرمنی سے جا ملا۔ انگریز یہ چاہتا تھا کہ تمام عرب اُس کی صف میں جمع ہو جائیں۔ انہوں نے عرب زعماء سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ کر لیا انگریزوں نے شریف حسین سے بھی اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ وہ شریف کو ترکوں کے خلاف پوری مدد دیں گے تا کہ شریف حسین پورے عرب کا بادشاہ بن جائے۔ دوسری طرف ادریس سے اتفاق کیا کہ وہ ترکوں کے خلاف اس کی مدد کریں گے۔ تا کہ عسیر کی حکومت مستقل طور پر اس کے قبضہ میں آجائے۔ اور اس کی پوری املاک کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ دوسری جانب ابن سعود کی امارت کا اعتراف کیا اور اُس کے استقلال کا اعلان کیا۔ اس قسم کے متناقض عہد و پیمان کئے گئے۔ مگر انگریز نے ہمیشہ اِس بات کی کوشش کی کہ یہ تمام امراء جو کہ اُن کے حلفاء بن چکے تھے اُن میں صلح رہے اور وہ پُرامن رہیں۔

جب خلفاء کی مدد و نصرت سے جنگ ختم ہوئی۔ ترکی حکومت نے مدینہ منورہ شریف حسین کے سپرد کر دیا۔ شریف حسین کا لشکر اچھی خاصی طاقت پکڑ گیا الاتِ حرب اور اسلحہ سے لیس تھا۔ امیر عبداللہ بن حسین نے سات ہزار کا لشکر تیار کیا جس میں نظامی فوج کے علاوہ بدو بھی تھے ان کے پاس توپوں کے علاوہ کافی تعداد میں بندوقیں بھی تھیں۔ اِس منظم لشکر کو لے کر انہوں نے تربہ پر چڑھائی کر دی۔ تربہ کا امیر خالد بن لوئی شریف کا مخالف ہو کر ابن سعود کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکا تھا اور اِس کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ جب عبداللہ بن حسین نے تربہ کا قصد کیا تو ابن سعود کو معلوم ہُوا۔ اُس نے اپنے حلیف انگریز کو لکھا اور شریف حسین کا مقصد بیان کیا انگریز نے ابن سعود کو کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ اُس نے ایک ہزار دو سو اخوان نجدیوں کا ایک لشکر تیار کیا۔ سلطان بن بجاد جو کہ غطغط کا امیر تھا کی قیادت میں یہ لشکر تربہ کے دفاع کے لئے روانہ کیا۔ امیر عبداللہ کا لشکر تھوڑی

سی جھڑپوں کے بعد تربہ پر قابض ہوگیا۔ دوسری رات آتے ہی امیر ابن بجاد نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا۔ اُن کے پانچ ہزار آدمی ذبح کر ڈالے اور ان کا تمام ساز و سامان اسلحہ اور آلات حرب اُن کے ہاتھ مالِ غنیمت کے طور پر آیا۔ امیر عبداللہ اور اُس کے چھ جرنیل وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ جب بعد میں ابن سعود تربہ پہنچا تو انہوں نے طائف پر چڑھائی کی اجازت طلب کی۔ ابن سعود نے مجاہدین کو اس قصد سے روک دیا تاکہ جو عہد اُس نے برطانیہ سے کیا ہے۔ وہ ٹوٹنے نہ پائے۔

طائف کی فتح

تربہ کی جنگ میں شکست کھانے اور خسارہ اٹھانے کے بعد شریف حسین اور سلطان ابن سعود کے تعلقات بگڑ گئے۔ حالات کے بگڑنے کے باوجود برطانیہ کے توسط سے دونوں میں کوئی خلفشار نہ ہوئی اور اندرونی حالات اطمینان بخش رہے ۱۳۴۲ھ میں ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ وہ یہ کہ بعض نجدی اخوان نے حجاز کی حدود پر حملہ کر دیا۔ اُن کا قصد جہاد فی سبیل اللہ تھا اور وہ اِس علاقے کو بدعات اور خرافات سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ شریف حسین نے نجدیوں کو حج سے روک دیا۔ انگریز کے توسط سے پھر نجدیوں کو حج کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد پھر شریف حسین نے نجدیوں کو حج سے روک دیا۔ حج کے لئے بہت سخت قسم کی شرطیں پیش کیں۔ اُن شروط میں یہ بھی تھا کہ سعودی حکومت تربہ اور خیبر کے علاقہ کو خالی کر دیں۔ ابن سعود نے ان شرائط سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریف حسین نجدیوں کو حج سے روکنے میں اڑے رہے۔ اس کے بعد محمرہ، عقیر اور کویت کی مختلف مؤتمرات منعقد ہوئیں جس کا

مقصد یہ تھا کہ اس منطقہ میں امن وامان بحال رہے۔ اسی دوران میں نجدی حکومت
اور کویت کے درمیان حدود مقرر ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اشراف کی حکومت
حجاز عراق اور شرق اردن میں حدود متعین ہوئیں مگر یہ سلسلہ بھی کامیاب نہ رہا۔
ذوالقعدہ ۱۳۴۲ھ کو ریاض میں ایک بہت بڑی مؤتمر منعقد ہوئی۔ جس کے رئیس
عبدالرحمن بن الفیصل ملک عبدالعزیز بن سعود کے باپ تھے۔ سلطان عبدالعزیز
علماء قبیلوں کے رئیس اور اخوان کے بڑے بڑے لیڈر اس میں شریک ہوئے۔
یہ موضوع زیر بحث تھا کہ خلیج اور مسجد الحرام کو کس طرح ظالمین اور مفسدین کے
پنجہ سے نجات دلائی جائے۔ مؤتمر اس مشورہ پر ختم ہوئی کہ حجاز کی سرزمین پر چڑھائی
کی جائے اور شعائر اسلامیہ کو زندہ رکھنے کے لئے جہاد کیا جائے۔

سلطان عبدالعزیز نے پندرہ فوجی دستے سلطان بن بجاد اور خالد بن لوئی
کی قیادت میں روانہ کئے جو کہ تربہ کے مقام پر جمع ہوئے صفر ۱۳۴۳ھ میں وہ غربی
جانب طائف کے قریب حویہ کے مقام پر ترکی حدود میں داخل ہوئے شریف حسین
کو خبر ہوئی تو وہ بھی طائف کے دفاع کی تیاریاں کرنے لگا۔ نظامی فوج میں سے
چار سو آدمی کو سعودی فوج کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ وہ شکست کھا کر واپس
بھاگے۔ ادھر شریف حسین کو ان کی ہزیمت اور شکست کی خبریں موصول ہونے لگیں
اُس نے فوراً اپنے بیٹے علی کی قیادت میں اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ایک لشکر روانہ
کیا۔ وہ طائف پہنچے حالات کا جائزہ لے کر وہاں سے ہدی روانہ ہوئے اور وہاں
مورچہ لگایا۔ ان حالات کو دیکھ کر بہت سے اہل طائف طائف چھوڑ کر بھاگنے
لگے۔ متعین فوج نے بھی وہاں سے نکل بھاگنا پسند کیا اور امیر علی سے جا ملے۔
سعودی فوج بڑی سہولت سے طائف میں داخل ہوئی۔ بہت سے مقامی لوگ
قتل ہوئے جو کہ اپنے گھروں میں پناہ لینے کی بجائے شہر میں چکر لگا رہے تھے حالانکہ

انہیں کہہ دیا گیا تھا کہ جو لوگ گھروں میں داخل ہو جائیں گے انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس دوران میں اور بھی مختلف حوادث ہوئے۔ بعض بدو جو نجدی فوج میں شامل ہو چکے تھے اُن سے کچھ لوٹ گھسوٹ کی واردات بھی ہوئیں۔ مگر سلطان عبدالعزیز نے طائف پہنچ کر اُن سب کو اس کا معاوضہ ادا کر دیا۔ جب طائف پوری طرح نجدیوں کے قبضہ میں آگیا تو امیر علی عرفات کی طرف بھاگ نکلا شریف حسین کو معلوم ہُوا تو اُس نے دوبارہ اپنے بیٹے علی کو ایک تازہ دم فوج دے کر ہَدّی روانہ کیا۔ شریف حسین کی فوج نجدیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئی معرکہ بڑا شدت اختیار کر گیا۔ آدھی رات سے صبح تک میدانِ کارزار گرم رہا۔ آخر امیر علی شکست کھا کر اپنی بقیہ فوج کو لے کر مکہ روانہ ہُوا۔ سعودیوں نے شکست خوردہ فوج کا تعاقب چھوڑ دیا اور مکہ پر چڑھائی کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ وہ حرمِ پاک کے سایہ میں جنگ سے پرہیز کرتے تھے۔

مکہ پر چڑھائی اور قبضہ

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ میں جب امیر علی نے شکست فاش کھائی تو وہ جدہ بھاگ نکلا۔ حکومت کے بڑے بڑے آدمی اور مکہ کی متعینہ فوج بھی مکہ سے جدہ بھاگنے لگی۔ صرف شریف حسین مکہ میں مضبوط دل کر کے بیٹھا رہا اور دفاع کی تدبیریں سوچنے لگا۔ طائف کی واپسی کا خیال دامنگیر تھا۔ اُدھر ہَدّی کی جنگ کے ایک ہفتہ بعد حجاز کے امراء اور رؤسا نے جدہ میں ایک مؤتمر کی جس میں شریف حسین کے حکومت سے دست بردار ہونے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اور طے پایا کہ امیر علی بن شریف حسین عرش حکومت پر جلوہ فروز ہو۔ شریف حسین کو یہ بہت گراں گذرا مگر مجبور ہو کر اُسے قبول کرنا پڑا وہ حجاز سے

نکل کر عقبہ کی طرف چلا گیا۔ امیر علی کے ہاتھ پر لوگوں نے ملک حجاز کی بیعت کی حجازیوں کا خیال تھا کہ حجاز کے نئے بادشاہ سے سلطان نجد صلح پر آمادہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے ملک سلامت رہے گا۔ بیعت ہوتے ہی علی جلدی مکہ واپس لوٹ آیا۔ چند ہفتے یہاں قیام کیا اور اس دوران میں وہ قوت بھی جمع کرتا رہا تاکہ مکہ کا دفاع کر سکے اور سعودیوں کے حملہ کو ناکام بنا دے۔ باوجود اس کوشش کے دو سو سے زیادہ فوجی اُس کے گرد نہ جمع ہو سکے۔ وہ مکہ چھوڑ کر جدہ بھاگ نکلا۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو سعودی فوج زیمہ پہنچ چکی تھی۔ اور وہ مکہ کے محاصرہ کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ تمام اشراف مکہ چھوڑ کر جدہ بھاگ نکلے ہیں تو وہ عمرہ کی غرض سے احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ داخل ہوئے۔ عمرہ ادا کیا اور مکہ پر قابض ہو گئے۔ عام لوگوں کے لئے امان کا اعلان کر دیا۔ اگر وہ اُسی وقت جدہ کی طرف رخ کرتے تو بڑی آسانی سے اُس پر قبضہ کر سکتے تھے۔ مگر وہ یہاں بیٹھ کر ملک عبدالعزیز کا انتظار کرتے رہے۔ ربیع الثانی کی ابتداء میں جدہ سے رؤسا اور امرا کا ایک وفد مکہ پہنچا تاکہ خالد بن لوئی اور سلطان بن بجاد جو کہ سعودی فوج کے قائد تھے اُن سے مصالحت کی جائے۔ انہوں نے اپنی شروط میں یہ شرط پیش کی کہ امیر علی ملک سے دست بردار ہو جائے اور ملک کو چھوڑ کر چلا جائے۔ یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔

اسی دوران میں ملک علی نے سلطان عبدالعزیز سے تار کے ذریعہ اتصال پیدا کیا اور اُسے آمادہ کیا کہ صلح کے لئے ایک مؤتمر منعقد کی جائے تاکہ تمام اختلاف ختم ہو جائیں۔ اور ساتھ یہ بھی شرط پیش کی کہ تمام سعودی حجاز

سے نکل جائیں۔ ملک عبدالعزیز نے جواب دیا کہ ہماری شرط یہ ہے کہ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کبھی صلح نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمہارے باپ کی اولاد حجاز کی حکومت کو وراثت بنائے بیٹھی ہے۔ حجازی حکومت نے اس سلسلہ میں ہندوستان کی خلافت کمیٹی سے بھی رابطہ قائم کیا اور فلسطین کی اعلیٰ مجلس اسلامی کو بھی آمادہ کیا کہ وہ صلح اور اتحاد میں مدد دیں۔ یہ تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ سلطان عبدالعزیز تمام عالم اسلامی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اُس نے اعلان کیا کہ اُس کی مہم یہ ہے کہ اشراف کو ملک حجاز سے باہر نکال پھینکا جائے۔ جنہوں نے شعائر اسلامیہ کو ختم کر دیا ہے۔ اور حرمین کی سرزمین کا امن برباد کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس بات پر راضی ہے کہ تمام عالم اسلام حجاز کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ وہ جس کو بھی اختیار کریں سلطان نجد کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اور وہ جمہور کے معاہدے کا پابندہ رہے گا۔

جدہ اور مدینہ کی فتح اور اشراف کی حکومت کا خاتمہ

۱۳۴۳ھ ربیع الآخر میں سلطان عبدالعزیز ریاض سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ ہر جگہ شہری اور دیہاتیوں نے پر جوش استقبال کیا اور بڑے بڑے گراں قدر تحفے آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ سات جمادی الاولیٰ کو شاہی قافلہ عمرے کا احرام باندھے ہوئے مکہ میں داخل ہوا۔

عمرہ کے احکام سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ کے حالات کی اصلاح کی اور جملہ امور کو منظم کیا۔ اس کے بعد ملک علی اور سلطان ابن سعود میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی ملک علی جدہ میں مقیم تھا۔ اس گفتگو سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا۔

سعودیوں نے حرکت شروع کی اور جدہ کے جنوبی حصہ قنفذہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جدہ کے شمالی حصہ رابغ پر بھی تسلط قائم کر لیا۔ مکہ اور ان دونوں جگہوں کے درمیان راستے کو ہموار کر لیا اور مواصلات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس طرح جدہ کو دونوں طرف سے گھیر لیا اور جدہ میں ملک علی کے محاصرہ کی کوشش شروع کر دی اس دوران میں ملک علی کو ان کے بھائی شرق اردن کے امیر عبداللہ سے کافی مدد پہنچ گئی۔ ملک علی نے مدد پہنچتے ہی جدہ کے گرد ایک دفاعی خط کھینچ دیا دونوں طرف سمندر تک چھ میل لمبی ایک خندق کھود دی گئی۔ جس کی صورت ہلال کی طرح تھی۔

سعودی لشکر ۸ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ کو جدہ کے میدانی علاقہ کی طرف سے چڑھ آئے۔ اور دفاعی خط کی جانب سے جدہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ایک سال تک قائم رہا۔ اس دوران میں بعض مقامات پر لڑائی اور جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ اسی دوران میں نئے سرے سے صلح کی کوشش بھی کی گئی۔ باہر سے بھی بعض وفود صلح کے لئے حاضر ہوئے۔ باوجود انتہائی کوشش کے اس میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

اسی اثنا میں سلطان عبدالعزیز کے لشکر نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا۔ رجب کی ابتداء میں بدر، الوجہ اور حنائیہ پر قبضہ جما لیا۔ اسی دوران میں سلطان ابن سعود کو حائل سے بہت بڑی مدد پہنچ گئی۔ حجاز میں اس وقت سعودی لشکر کی تعداد چودہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

امیر محمدؐ کا مدینہ میں داخلہ

مدینہ والوں کی طرف سے سلطان ابن سعود کو خط موصول ہونے لگے کہ وہ مدینہ

آپ کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہیں اور ہتھیار ڈالنے پر مستعد ہیں۔ سلطان ابن سعود نے اپنے بیٹے محمدؒ کی قیادت میں ایک فوج تیار کی اور مدینہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ مدینہ کی اندرونی حامی فوج نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ امیر محمدؒ نے بہت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ دس ماہ کے شدید محاصرہ کے بعد جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ کو امیر محمدؒ نے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر لیا اور مدینہ منورہ میں داخل ہو گیا۔

ادھر جدہ کا محاصرہ بدستور قائم تھا اور اہل جدہ بہت مشکل میں مبتلا تھے۔ راشن تقریباً ختم ہو رہا تھا، قسم قسم کی افواہیں پھیل رہی تھیں دفاع کرنے والے فوجی متفرق ہو گئے تھے اور ان میں آپس میں نزاع پیدا ہو چکا تھا۔ سعودیوں کی فتح و نصرت کے لئے یہ ایک بہترین موقع تھا۔ سلطان ابن سعود فوری حملہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کی فوج کا نقصان بھی نہ ہو اور وہ بیرونی لوگ جو کہ جدہ میں مقیم ہیں انہیں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ بغیر لڑائی کے ملک علی جدہ کو ان کے سپرد کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش پوری کر دی ملک علی نے خود ہی ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی اور جدہ ان کے حوالہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ مگر اس کے لئے کچھ شروط اس نے سلطان ابن سعود کے سامنے پیش کیں۔ وہ یہ کہ سارا ساز و سامان جو ملک علی کا ہے اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اہل جدہ اور تمام مؤظفین کو امن دیا جائے۔ عفوِ عام کا اعلان کیا جائے۔ خاص طور پر جدہ کے اشراف پر کوئی مواخذہ نہ ہو۔ اشراف کی حکومت کی تمام املاک، اسلحہ، ہوائی جہاز اور بحری جہاز سب کچھ سلطان ابن سعود کے قبضہ میں آئے گا۔ طرفین نے یہ شروط منظور کیں۔ برطانیہ کے قونصل کے ذریعہ پہلی جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ یعنی ۱۷ دسمبر ۱۹۲۵ء کو یہ صلح نامہ اور اتفاقیہ طے پایا۔

سلطان عبدالعزیز کا جدہ میں داخلہ

سلطان عبدالعزیز ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ کو جدہ میں داخل ہوا۔ آپ کا بہت ہی پرجوش استقبال کیا گیا۔ اس طرح ابن سعود نے پھر دوبارہ حجاز پر قبضہ جمالیا اور اپنے آباؤاجداد کا ملک پھر واپس لے لیا۔ اشراف کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے اس ملک سے محروم ہو گئے۔

بلادِ عسیر کی واپسی

عسیر کا علاقہ حجاز اور یمن کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ علاقہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے پانی کی بہت فراوانی ہے اور کھیتی باڑی خوب ہوتی ہے۔ چودھویں صدی کی ابتدا میں یہ علاقہ دو سیاسی گروہوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس کا شمالی حصہ آلِ عائض کی امارت کے تحت تھا جس کا دارالحکومت ابہا تھا۔ جنوبی حصہ ادریسیہ کی امارت میں تھا اور اس کا دارالحکومت جیزان تھا۔ شروع شروع میں اہلِ عسیر شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے حامی تھے اور شریعت اسلامیہ پر سختی سے پابند تھے سیاسی طور پر یہ آل سعود کے ساتھ پورا تعاون کرتے تھے۔ درعیہ کے امام اور امیر کے ساتھ ان کا پورا تعاون تھا اور امارت کی بھی اُسی کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ جب محمد علی پاشا کی فوجوں نے عسیر پر چڑھائی کی تو اہل عسیر نے اپنے ملک کے دفاع کے سلسلہ میں بہت مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔ انہوں نے پورے استقلال سے مقابلہ کیا اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ آلِ یزید میں سے عائض بن مرعی نے دفاع کا جھنڈا بلند کئے رکھا۔ سعودیوں نے بھی عسیر کے امیر کی پوری مدد کی۔ عائض بن یزید نے اپنے بیٹے محمد کو امارت سپرد کی اور خود اپنی حکومت کو وسعت دینے

میں مشغول ہو گیا۔ گردو نواح میں اپنا اثر پھیلانے لگا۔ ان کوششوں کی بنا پر اُس نے اپنی امارت کو شمالی جانب سے حجاز کی حدود تک وسعت دے دی۔ مشرقی جانب سے بیشہ تک پہنچ گیا اور جنوبی جانب سے مخا تک تسلط قائم کر لیا۔ جب سعودی حکومت میں اضطراب پیدا ہوا اور بہت کچھ اُس کے ہاتھوں سے نکل گیا تو عسیر کا امیر استقلال حاصل کر کے اپنی ایک مستقل حکومت بنا کر بیٹھ گیا۔

ترکی حکومت کا عسیر پر قبضہ

ترکی حکومت کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ایک لشکر جرار عسیر کے علاقہ میں روانہ کیا تاکہ عسیر کا علاقہ بھی حجاز کی حکومت میں شامل کر لیا جائے۔ ردیف پاشا کی قیادت میں ۱۲۸۵ھ میں ابہا کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محمد بن عائض جو کہ عسیر کا مستقل امیر بن چکا تھا۔ امان دینے کی شرط پر ہتھیار ڈال دیئے اور شہر ترکی فوج کے حوالہ کر دیا۔ مگر احمد مختار پاشا ایک ترکی قائد نے عہد توڑ دیا اور محمد بن عائض کو قتل کر دیا۔ اب کیا تھا اتراک عسیر پر غالب آ گئے اور اس علاقے کو بھی عثمانی حکومت میں شامل کر لیا اور آلِ عائض کو امارت سے محروم کر دیا۔

محمد بن علی الادریسی کا ترکوں پر حملہ

کچھ مدت کے بعد محمد بن علی الادریسی جو کہ جنوبی عسیر کا امیر تھا۔ اُس نے ابہا میں ترکوں پر حملہ کر دیا اور ابہا کا محاصرہ کر لیا۔ ترکوں نے مجبوراً امیر حسن بن علی بن محمد آل عائض سے مدد طلب کی امیر حسن نے اُن کی خواہش کے مطابق ترکوں کی مدد کی ابھی کوئی فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ ترکی فوج مجبور ہو کر بھاگ نکلی اور عسیر کے علاقہ کو خالی کر دیا۔ اب کیا تھا امیر حسن بن علی آل عائض کے

لئے فضا ہموار ہوگئی اور اُس نے پھر استقلال حاصل کر لیا۔ امارت سنبھالتے ہی کوئی اچھی سیرت کا ثبوت نہ دیا۔ رعیت پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اُس کے جبر و تشدد کی بنا پر قبائل اُس سے متنفر ہو گئے۔ مجبوراً انہوں نے اپنا ایک سفیر ریاض کے امام کے پاس بھیجا اور اپنی شکایات پیش کیں۔ اور ساتھ ہی اُس سے مدد کے طالب ہوئے۔ امیر ریاض امام عبدالعزیز بن سعود نے چھ علما کا ایک وفد اپنے ایک خط کے ساتھ امیر حسن کی طرف روانہ کیا۔ اُسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کی دعوت دی اور کہا کہ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد عدل و انصاف کے پابند تھے تم بھی اُسی طرف رجوع کرو۔ امیر حسن نے جب یہ خط پڑھا تو اُس نے محسوس کیا کہ ابن سعود میرے کاموں میں مداخلت کر رہا ہے اور میرے استقلال میں مخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے ابن سعود کو بیشہ کے علاقے سے دست بردار ہونے کی دھمکی دی۔

ابن سعود کا عسیر کے علاقہ پر پہلا حملہ

شعبان ۱۳۳۸ھ کو امام عبدالعزیز بن سعود نے اپنے چچازاد بھائی عبدالعزیز بن مساعد بن جلوی کی قیادت میں دو ہزار کا ایک لشکر تیار کیا اور عسیر کے علاقہ میں روانہ کیا سعودی لشکر کی ابن عائض کے لشکر کے ساتھ حجلہ کے مقام پر مٹھ بھیڑ ہوئی۔ یہ علاقہ ابہا اور خمیس کے درمیان میں واقع ہے۔ ابن عائض کو شکست فاش ہوئی اور سعودی لشکر ابہا کی طرف بڑھا اور اُس پر قبضہ جما لیا۔ سعودی لشکر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ السید ادریسی کی امارت کی حدود تک پہنچ گیا۔ حسن بن عائض نے ہتھیار ڈال دئیے اور امارت ابن مساعد کے سپرد کر دی امیر عبدالعزیز بن مساعد نے اُن کو پکڑ کر ریاض روانہ کر دیا۔ جب ریاض پہنچے تو ابن سعود نے اُن کا بہت اکرام کیا اور اس رغبت کا اظہار کیا کہ اگر وہ حکومت سعودی کے تابع ہو

کر رہیں تو اُن کی امارت انہیں واپس لوٹا دی جائے گی۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح جو کہ ابن سعود کے آباؤ اجداد کے تابع تھے اسی طرح یہ بھی اُس کے تابع رہیں۔ مگر انہوں نے امارت سے دست بردار ہونے کو ہی ترجیح دی۔ ابن سعود نے اُن کے مشاہرے مقرر کر دیئے۔ اور وہ خوشی خوشی اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ محمد بن عائض ابہا میں مقیم ہؤا اور حسن بن عائض اپنے پہلے وطن حرملہ میں مقیم ہو گیا۔

ابن سعود کا عسیر کے علاقہ پر دوسرا حملہ

شوال ۱۳۴۰ھ میں حسن بن عائض نے ابن سعود کے عہد کو توڑ دیا۔ اور قبائل کو ابن سعود کے خلاف اُبھارنے لگا۔ ادھر شریف حسین نے یہ خبر سن کر اُس کی امداد کرنی شروع کر دی اور کافی اسلحہ بھیجا وہ بھی سعودی اقتدار کو ختم کرنے کے درپے تھا اُسے خطرہ تھا کہ کہیں سعودی حجاز پر بھی قابض نہ ہو جائیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ وہ جس خطرے کو محسوس کر رہے تھے اس میں مبتلا ہوئے۔ اور آخر حجاز کی حکومت سعودیوں کے قبضہ میں آ گئی۔ بہرحال عسیر میں پھر فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ دو ماہ تک یہی حالت رہی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سلطان ابن سعود حائل میں مشغول تھا۔ جب حائل پر پوری طرح قبضہ جما لیا تو عسیر کی طرف توجہ کی۔

امیر فیصل کا عسیر کو فتح کرنا

چنانچہ اپنے بیٹے فیصل کی قیادت میں دس ہزار کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور عسیر روانہ کیا۔ جب امیر فیصل اپنے لشکر کو لے کر بیشہ کی طرف بڑھا تو معلوم ہؤا کہ اُن کے مقابلہ میں بہت بھاری قوت ہے۔ جاتے ہی جنگ شروع کر دی

مقابل کو شکست فاش ہوئی اور ان کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ جب حسن بن عائض نے اپنے مقابلے میں سعودی قوت کو دیکھا اور سمجھا کہ ان کا مقابلہ مشکل ہے تو وہ خمیس اور بجلہ کے علاقہ کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ابہا کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ جب امیر فیصل نے وہاں بھی حملہ کیا تو وہ ابہا کو چھوڑ کر حرملہ میں جا محصور ہوئے۔ یہ جگہ چونکہ کافی مرتفع تھی اس لئے ان کے لئے کافی مناسب تھی۔ ادھر شریف حسین کی طرف سے بھی ان کو مدد پہنچ گئی۔ امیر فیصل نے بیشہ سے ایک چھوٹا لشکر ان کی سرکوبی کے لئے حرملہ روانہ کیا۔ یہ لشکر اپنی مہم میں کامیاب ہو گیا۔ چھ گھنٹے مسلسل جنگ جاری رہی آخر آل عائض وہاں سے بھاگ نکلے۔ سعودی لشکر نے حرملہ کے قلعہ کو بہت بری طرح سے تباہ کیا۔ عین اسی وقت امیر فیصل نے فوج کی ایک بھاری تعداد تہامہ کی طرف روانہ کی تاکہ وہ حجازی لشکر کی سرکوبی کرے جو کہ آل عائض کی مدد کے لئے پہنچا ہے۔ حجازی قوت نے سعودی لشکر کو پیچھے دھکیل دیا اور وہ تہامہ سے بھاگ نکلے حجازی لشکر نے ان کا عسیر تک پیچھا کیا۔ سعودی اخوان اور مجاہدین نے موقع پاکر ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حجازی فوج کو بہت بری طرح سے شکست ہوئی وہ الٹے پاؤں قنفذہ کی طرف بھاگ نکلے۔ یہ فیصلہ کن جنگ تھی جس نے آل عائض اور ان کی امارت کا خاتمہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے عسیر کے علاقہ کی حکومت سعودیوں کے ہاتھ آئی اس وقت سے لے کر آج تک یہ علاقہ سعودی حکومت کا ایک حصہ ہے۔

عسیر الادراستہ کا علاقہ

عسیر کا جنوبی حصہ ادراسہ کہلاتا ہے۔ اس کے شمال کی جانب ابو عتنہ اور جنوب کی جانب حدیدہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے مشرقی جانب یمن کے پہاڑ

اور مغربی جانب بحرۂ احمر واقع ہے۔ اس کا دار الحکومت جیزان ہے، اور اس علاقے کے مشہور شہر صبیہ، میدی اور لحیتہ ہے۔ اس خطہ میں انہی ایام میں ادریسیہ کی حکومت قائم تھی۔ ادریسیوں کا جدِ امجد السید احمد بن ادریس تھا۔ یہ گذشتہ صدی میں بلادِ عسیر میں داخل ہوا اور صبیہ کے علاقہ میں اقامت اختیار کی۔ وہاں اس نے احمدیہ طریقت کی نشر و اشاعت کی۔ وہیں فوت ہوا اور وہاں ہی دفن کیا گیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد اسی علاقہ میں مقیم رہی اور اس علاقہ میں روحانی اقتدار ان کے ہاتھوں رہا۔ آخر اس کے پوتوں میں سے السید محمد بن علی الادریسی اٹھا اور اس نے اس قرن کے اوائل میں لوگوں کو اس روحانی تسلط سے نجات دلا کر امارت اور بادشاہت کی طرح ڈالی اور اس طرح اس نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ایک مستقل حکومت قائم کر ڈالی۔ طریقہ احمدیہ کے متبعین بعض قبائل نے ان کی مدد کی اور یہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا۔ اتراک کی فوج کو اس علاقہ سے مار بھگایا اور یہ علاقہ ان سے اور کچھ امامِ یمن سے چھین کر اس پر قابض ہو گیا۔ اس کا اثر دُور دُور تک پھیلنے لگا اور اس کی قوت روز بروز بڑھنے لگی اور اسی زمانہ میں اس نے اتراک کے خلاف اٹلی سے معاہدہ کر لیا اور یہ ۱۳۳۰ھ کا واقع ہے۔ اس کے بعد اس نے ۱۳۳۳ھ میں انگریز کے ساتھ اتراک کے خلاف معاہدہ کر لیا۔ اب کیا تھا۔ دونوں حکومتوں نے مال اور اسلحہ سے ان کی خوب مدد کی۔ برطانیہ نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ کسی بھی بیرونی حملے کو ان کے خلاف برداشت نہیں کرے گا اور ان کو ترکوں کے خلاف خوب برانگیختہ کیا۔ ادریسی نے بارہ ہزار فوج سے ترکوں پر حملہ کر دیا اور مختلف جگہوں پر قبضہ جما کر انہیں شکستِ فاش دی۔ شمالی جانب قنفذہ اور جزیرہ فرسان پر قبضہ کر کے حدود میں کافی وسعت دے دی۔ بعد میں قنفذہ کو انہوں نے انگریز کی طلب پر شریف حسین

کے لئے خالی کر دیا کیونکہ وہ طرفین کے حلیف تھے۔ ادریس اور ابن سعود کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ ان دونوں کے درمیان دوستی کا عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ اور یہ اقرار کر چکے تھے کہ ایک دوسرے پڑوسی کی مدد کی جائے گی۔

السید احمد بن ادریس کی وفات اور اس کے بیٹے علی کے ہاتھ پر بیعت

۱۳۴۲ھ میں جب السید احمد بن ادریس کی وفات ہوئی تو لوگوں نے اُس کے بیٹے علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ باپ کی نسبت بیٹا بہت کمزور تھا اپنے ملک کی حفاظت نہ کر سکا۔ امام یمن یحییٰ بن محمد حمید الدین نے اپنے ملک کو وسعت دینی شروع کی اور یمنی لشکر نے ۱۳۴۴ھ کو حدیدہ پر قبضہ کر لیا۔ السید علی ادریسی کا لشکر مضطرب ہو رہا تھا اُن کے پاؤں نہ جم سکے مجبوراً وہ اپنے چچا السید حسن کے حق میں دست بردار ہو گیا اور خود سلطان عبدالعزیز بن سعود کے پاس پناہ لی اور اُس کی حفاظت میں قیام پذیر ہوا۔

اس دوران میں السید حسن نے امام یحییٰ، اٹلی اور برطانیہ سے معاہدے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ صرف انگریز سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ اُسے جزائر فرسان سے تیل نکالنے کا امتیاز حاصل ہو گا اور اس صلہ میں وہ اس کی حمایت کرے گا۔ اس کے بعد السید حسن نے مصلحت اس میں دیکھی کہ وہ سلطان ابن سعود جو کہ حجاز اور نجد کے مستقل بادشاہ تھے، کی حمایت میں آجائے اور اُس کے تحت اپنی امارت کو چلائے۔ چنانچہ ۱۳۴۵ھ میں معاہدہ مکہ قرار پایا جس کے شرائط یہ تھے کہ امام عسیر کسی اجنبی حکومت سے کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ اور کسی کو کوئی اقتصادی امتیاز نہیں دے گا کسی سے صلح و جنگ ابن سعود کی اجازت کے بغیر نہیں ہو گی۔ اور اپنے علاقہ میں کسی کو کوئی جز نہیں سونپے گا جب تک کہ اس پر ابن سعود کی پوری موافقت نہ ہو۔ اس

کے مقابلہ میں ابن سعود اُس کی امارت کے حق کو تسلیم کرے گا اس کی وفات کے بعد بھی ادراسہ جس کو اپنا امیر مقرر کر لیں ابن سعود اُسے تسلیم کرے گا۔ حسن ادریسی کو داخلی اُمور میں پوری آزادی ہوگی۔ اپنے عرش حکومت کو باقی رکھنے کے لئے اُسے داخلی اور خارجی حملوں کا سدِباب کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔

اِس معاہدہ کی بنا پر ملک ابن سعود نے انگریزوں کے ساتھ بات چیت شروع کی اور انہیں جزیرہ فرسان سے دست بردار ہونے کے لئے کہا۔ انہوں نے اِس کو نامنظور کیا۔ اسی معاہدہ کی بنا پر امیر حسن نے اپنی قوت سے کام لینا شروع کیا اُس کے حلیف سلطان ابن سعود نے اس کی مدد کی۔ اس کے باوجود حسن ادریسی اپنی امارت چلانے پر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے وہ امارت سے دست بردار ہو گیا۔ ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ کو سلطان ابن سعود نے فرمان شاہی جاری کیا جس کی بنا پر اُس کا دست بردار ہونا قبول کر لیا گیا۔ یہاں آکر ادراسہ کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اور یہ علاقہ بھی کلی طور پر سعودی حکومت میں داخل ہو گیا۔ ملک عبدالعزیز نے حسن ادریسی کی عزت و تکریم کا خوب خیال رکھا اور اُس کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔

ادراسہ کی سعودیوں کے خلاف دوبارہ بغاوت

۱۳۵۱ھ میں اُس نے پھر سر اٹھایا اور سعودیوں کے خلاف بغاوت کر دی جیزان کے سعودی امیر کو اُس نے محبوس کر لیا۔ فوری طور پر ملک عبدالعزیز نے ایک مختصر لشکر تیار کر کے اُس کی طرف روانہ کیا بعض فوجی موٹروں پر سوار ہوئے اور بعض کشتیوں پر سوار ہو کر جیزان پہنچے۔ حسن ادریسی وہاں سے بھاگ نکلا اور صبلیہ جا پہنچا۔ جب سعودی لشکر وہاں پہنچا تو وہاں سے جنوب کی طرف بھاگا۔ ابن سعود یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ شاید اس انقلاب کے پیچھے کوئی ہاتھ نہ ہو۔ اس لئے ایک

بہت بھاری لشکر امیر عبدالعزیز بن مساعد کی قیادت میں روانہ کیا تاکہ سر اٹھانے والوں کا قلع قمع کیا جائے۔ اور اس کا پوری طرح سے شہر بشہر تعاقب کیا جائے۔ حسن ادریسی اور اُس کے ساتھیوں کو اتنی بُری طرح سے تنگ کیا گیا کہ وہ یمن کی حدود کو پار کر گئے وہاں پہنچ کر امام یمن کے پاس انہوں نے پناہ لی۔ ابن سعود نے امام یمن سے اُن کا مطالبہ کیا۔ یہ اس لئے کہ امام یمن اور ابن سعود اس سے پہلے آپس میں معاہدہ کر چکے تھے۔ امام یمن نے ابن سعود سے اُن کے لئے عفو طلب کیا سلطان ابن سعود نے اس کی رجا کو قبول کیا اور انہیں معاف کر دیا۔ اور اُن کے لئے ماہانہ وظیفے مقرر کر دیئے۔ مگر اس کے باوجود وہ بہت تعصب میں بتلا رہے جو یمنیوں اور سعودیوں کا آپس میں جنگ کا سبب بنا۔

اس سے قبل یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان ابن سعود کو سعودی حکومت کی تجدید کے لئے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کن ناگزیر حالات میں سے گذرتے ہوئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا رہا۔ کتاب و سنت کا داعی اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے ہر میدان میں بے خطر کودا۔ اپنی کریمانہ سیاست سے دشمنوں کو بھی دوست بنا لیا۔ واقعات چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے تھے۔ اس لئے گذشتہ جو تفصیل بھی لکھی گئی وہ مختلف حصوں میں تقسیم کر کے لکھی گئی تاکہ قارئین ان واقعات کے پڑھنے سے پریشان نہ ہوں۔ بعض اوقات واقعات جو ایک تاریخ پر رونما ہوئے وہی تاریخیں دوسرے واقعات کے ساتھ بھی چسپاں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں یہ مجاہد انسان کتنے معرکوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس وقت جب کہ سلطان ابن سعود مختلف معرکوں سے دوچار تھا عین اُسی وقت وہ خارجی حکومتوں سے بھی تعلقات قائم کئے ہوئے تھا۔ کسی کے ساتھ صلح کسی کے ساتھ معاہدہ اور کسی کی نصرت یہ سب کچھ اُس مردِ خدا کی خداداد عقل

کا پرتو ہے اور اس کے اخلاص کی ایک تصویر ہے۔ ایک دن وہ بھی آیا کہ جب سب فتنوں کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور یہ مردِ خدا ساری دنیا میں بانگ دُھل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ہمارا قانون اور نظام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے ان خطبات اور بیانات کو سن کر مجددِ اعظم شیخ محمد بن عبدالوہاب کی روح تڑپ جاتی ہو گی کہ جس نے درعیہ کی سرزمین میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ایک چھوٹی سی حکومت قائم کی تھی آج اللہ کے فضل و کرم سے پورا جزیرۂ عرب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صداؤں سے لبریز ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم ابن سعود کے خارجی تعلقات کا بیان کریں گے جن کا اس تاریخ کے ساتھ پورا ربط و ضبط ہے۔ اور ابن سعود کے جہاد کے دوران میں ہی یہ سب کچھ ہوا۔

ابن سعود اور کویت کے تعلقات

اس سے قبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ سلطان عبدالعزیز بن سعود نے اپنے شباب کا ابتدائی حصہ کویت میں گذارا تھا۔ اس لئے ان پر کویت اور امیر کویت الشیخ مبارک کے بہت بڑے حقوق تھے۔ جس کی انہوں نے اپنی زندگی میں پوری رعایت رکھی۔ اور ہمیشہ اُس کی دعوت پر لبیک کہی باوجود اس کے کہ شیخ مبارک کی سیاست بڑی پیچ دار تھی جس سے کسی حد تک خود ابن سعود کو بھی نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر انہوں نے قدیم تعلقات میں فرق نہ آنے دیا اور ہمیشہ اُن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ہر آڑے وقت میں اُن کے کام آئے اور ہمیشہ اُن کی نصرت اور مدد کی۔

جب ابن سعود اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا اور اپنے آباؤ اجداد کے

ملک کو دوبارہ حاصل کر لیا اور نجد پر سعودیوں کی مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ الشیخ مبارک امیر کویت کو یہ خطرہ لاحق ہؤا کہ ایسا نہ ہو ابن سعود خلیج تک اپنا اقتدار قائم کرے اور مجھے کویت کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑے۔ ان اسباب کے پیش نظر اُس نے ابن سعود کے مدِمقابل آل رشید سے صلح کر لی۔ اور ۱۳۲۳ھ میں اُس نے دونوں فریقوں کو جنگ پر برانگیختہ کیا۔ دونوں کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا کبھی آلِ رشید کو ابن سعود کے خلاف خط لکھتا اور کبھی ابن سعود کو آلِ رشید کے خلاف خط لکھتا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ دونوں امیر آپس میں نجد میں لڑتے جھگڑتے رہیں اور وہ اِن خطرات سے محفوظ ہو جائے جن کو کہ وہ محسوس کر رہا تھا۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ آلِ رشید کی طرف لکھا ہؤا خط ابن سعود کے ہاتھ لگ جاتا۔ اور ابن سعود کو لکھا ہؤا خط آلِ رشید کے ہاتھ لگ جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ابن سعود اور آلِ رشید الشیخ مبارک کی اس پیچیدہ سیاست کو خوب پہچان رہے تھے، چونکہ آدمی بڑا چالاک تھا۔ اس لئے موقع پر معذرت بھی پیش کر دیتا تھا اور اپنے آپ کو اِن تصرفات سے بری کر لیتا تھا۔

سلطان ابن سعود کا اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ اختلاف

۱۳۲۸ھ میں سلطان عبدالعزیز بن سعود کے بعض چچازاد بھائیوں نے اُن سے اختلاف کیا اور اس کے مخالف ہو گئے۔ ابن سعود کو چھوڑ کر احسا میں عجمان کے پاس پناہ لی۔ شیخ مبارک کو اُس کا علم ہؤا تو اُس نے درمیان میں ہو کر ابن سعود اور اُس کے چچازاد بھائیوں میں صلح کرا دی۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ سعدون المنصور جو کہ عراق میں منتفق قبائل کا سردار تھا اُس نے ایک بڑا لشکر

تیار کیا اور ارادہ کر دیا تھا کہ کویت پر چڑھائی کر کے اُس پر قبضہ جمالے۔ اس لئے
شیخ مبارک نے ابن سعود پر یہ احسان کیا تاکہ وہ وقت پر کام آئے اور سعدون
المنصور کے خلاف اُس کی مدد کرے ابن سعود اُس کے حسن ظن کے مطابق پورا
اُترا اور اپنی فوج لے کر کویت پہنچ گیا تاکہ سعدون المنصور کے حملہ کو روکا جائے
ابن سعود کی یہ خواہش بھی کہ وہ درمیان میں پڑ کر صلح کرا دے۔ مگر الشیخ مبارک
نے اس کو مسترد کر دیا اور لڑائی پر اصرار کیا۔ یہی نہیں کہ اُس نے صلح سے انکار
کر دیا بلکہ ابن سعود نے جو جنگی خاکہ تیار کیا تھا اُس کی بھی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ کویتی لشکر نے ہدیہ کے مقام پر شکست فاش کھائی۔ ابن سعود نے کوشش
کی کہ وہ نجد واپس لوٹ آئے کیونکہ ملک اس کا محتاج تھا۔ مگر شیخ مبارک
نے اُسے کچھ دیر کویت میں ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ ابن سعود کو مجبوراً رکنا پڑا۔
اور اپنے مفاد کو شیخ مبارک پر قربان کرنا پڑا۔ تین ماہ مسلسل وہاں قیام کیا۔
اس کے بعد شیخ مبارک نے ابن سعود کے ساتھ کچھ بے مروتی برتنی شروع
کی جس کی بنا پر ابن سعود ریاض واپس لوٹ آیا۔

دو سال کے بعد ۱۳۳۰ھ کو شیخ مبارک نے پھر دوبارہ ابن سعود سے
مدد طلب کی جب کہ ابن سعدون اور ابن سویط اُس کے مقابلہ میں کھڑے ہو
گئے۔ ابن سعود نے دوستی کا حق ادا کیا۔ باوجود داخلی خلفشار کے جس کا اُسے
سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اُس کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب ابن سعود ایک لشکر جرار
لے کر اُس کی مدد کے لئے روانہ ہوا اور ابھی راستہ ہی میں تھا تو شیخ مبارک
نے ابن سویط کو خط لکھا اور اُسے خبردار کیا کہ ابن سعود تم پر حملہ کرنے والا
ہے۔ اس لئے اُس کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔ جب شیخ مبارک کی اس منافقانہ
سیاست کا علم ابن سعود کو ہوا تو بہت حیرت ہوئی۔ اور وہ خوب اچھی طرح

سمجھ گیا کہ امیر کویت اس کا دوست نہیں بلکہ وہ اُس کو اور دوسروں کو آپس میں لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ سعودی لشکر بہت بے تاب تھا کہ کویت پر حملہ کر دیا جائے۔ مگر ابن سعود کے منع کرنے پر انہوں نے ادھر سے رُخ موڑ لیا۔ اس کے باوجود الشیخ مبارک نے پھر دوبارہ اُسے دھوکہ دینا چاہا تاکہ ان میں اور ترکوں میں پھر دوبارہ جنگ ہو جائے مگر ابن سعود سمجھ چکا تھا اور اب دوبارہ اُس کے دامِ فریب میں آنے سے انکار کر دیا۔

صلح کے سلسلہ میں شیخ مبارک کا موقف

جب ابن سعود اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا اور ہر طرف سے فتح اُن کے قدم چومنے لگی اُس کے استقلال اور ترقی کی رفتار کو دیکھ کر انگریز اور اتراک گھبرا گئے۔ چنانچہ ۱۳۳۲ھ میں انہوں نے ابن سعود سے محبت اور صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ ابن سعود نے عقیر میں انگریزوں کے سیاسی وکیل جو کہ بحرین میں موجود تھا سے ملاقات کی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا مگر اُس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ادھر حکومت ترکیہ نے بھی ایک وفد ابن سعود کی طرف روانہ کیا تاکہ صلح کی کوشش کی جائے۔ اِن حالات کو دیکھ کر شیخ مبارک مضطرب ہو گیا۔ اور دونوں حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ یہ اجتماع کویت میں ہو۔

ابن سعود نے صبیحیہ میں اجتماع کرنا زیادہ مفید خیال کیا۔ برطانیہ کا سیاسی وکیل جو کہ کویت میں موجود تھا اُس نے بھی ابن سعود سے موافقت کی۔ اِسی اثنا میں اُسے شیخ مبارک کی طرف سے خط موصول ہوا۔ جس میں اُس نے مشورہ دیا کہ انگریز سے ہرگز صلح نہ کی جائے بلکہ ان کے ساتھ شدت برتی جائے۔ ابن سعود نے اس کے مشورہ کے مطابق عمل کیا۔ دوسرے دن اسی مقام پر حکومت ترکیہ کا وفد بھی

آپہنچا۔ اور اُسی دن شیخ مبارک کا خط بھی ابن سعود کو ملا جس میں صلح نہ کرنے کا مشورہ تھا اور لکھا کہ ان مکاروں اور دغابازوں سے کبھی مفاہمت نہیں ہونی چاہیئے ابن سعود نے یہی ظاہر کیا کہ وہ اُس کے مشورہ کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ مگر حقیقت میں اُس نے حکومت ترکیہ سے اتفاق کر لیا اور یہ طے پایا کہ ابن سعود کے تعلقات ان سے دوستانہ ہوں گے۔ اس کے بدلے میں ترکیہ نے مال اور ہتھیار دینے کا وعدہ کیا ابھی اس معاہدہ پر عمل بھی نہیں ہوا تھا کہ پہلی عالمگیر جنگ شروع ہو گئی۔

مشکلاتِ عجمان

۱۳۳۳ھ میں عجمان نے الشیخ مبارک کے بعض علاقوں پر ظلم و تعدی کا علم بلند کیا۔ اِس لئے اُس نے عبدالعزیز بن سعود کو خط لکھا جس میں اُس سے مدد و نصرت طلب کی اور کہا کہ عجمان کی تادیب کی جائے اور جو کچھ وہ مالِ غنیمت لوٹ کر لے گئے ہیں، اُن سے واپس لیا جائے۔ ابن سعود نے معذرت کی اور اُس کی برائیوں اور خیانتوں کا ذکر کیا۔ وہ سارے سیاسی جوڑ توڑ بیان کئے جو اُس نے ابنِ سعود کے خلاف استعمال کئے تھے۔ اور اُس کا موقف اُسے یاد دلایا۔ شیخ مبارک نے دوبارہ دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اخلاص و صدق کا وعدہ کیا۔

عجمان کی سرکوبی

ابن سعود لشکر تیار کر کے عجمان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا وہ یہ سُن کر کویت سے قطر کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سعودی لشکر نے ان کا پیچھا کیا ہے وہ وہاں سے بھی چل نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر

سعودی لشکر راتوں رات اُن کا پیچھا کرتا ہُوا اُن سے جا ملا۔ پوری رات دونوں فریقین میں میدان کارزار گرم رہا۔ ابن سعود کا لشکر شکست کھا گیا اُس کا بھائی سعد اِس معرکہ میں قتل ہُوا اور وہ خود ذاتی طور پر بُری طرح مجروح ہُوا۔ اپنی بچی کھچی فوج کو لے کر ہفوف کی طرف بھاگ نکلا۔

ابن سعود کا ہفوف میں محاصرہ

عجمان نے ہفوف کا محاصرہ کر لیا مسلسل تین ماہ تک محاصرہ قائم رہا اسی دوران میں ابن سعود نے کویت اور نجد میں مدد کے لئے لکھا۔ اہل نجد نے ایک فوج ابن سعود کے بھائی محمدؒ بن عبدالرحمٰن کی قیادت میں روانہ کی شیخ مبارک نے کمزوری دکھائی دوسری مرتبہ ابن سعود نے پھر لکھا تو ایک چھوٹا سا فوجی دستہ ابن سعود کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

عجمان کا محاصرہ چھوڑنا اور ابن سعود کا تعاقب

عجمان نے تنگ آکر محاصرہ چھوڑ دینے پر ترجیح دی۔ جب وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے تو ابن سعود نے ان کا پیچھا کیا۔ رات پیدل چلتے رہے یہاں تک کہ صبح کے وقت انہیں جا پایا۔ پیچھے سے اُن پر آگ اور گولیاں برسانے لگے وہ چونکہ سواریوں پر سوار تھے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابن سعود نے اُن کے پیچھے اپنے بھائی امیر محمدؒ کو روانہ کیا اور سالم الصباح کو بھی اُن کے ساتھ ملا دیا جب اُن کے ساتھ مٹھ بھیڑ ہوئی تو سالم الصباح عجمان کے ساتھ مل گیا اور ابن سعود کے مخالف ہو گیا۔ یہاں آکر شیخ مبارک والی کویت کی چالاکی اور عیاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ عجمان اور ابن سعود کے درمیان عداوت اور دشمنی کا بیج بونا چاہتا تھا

اور اُس کا خیال تھا کہ شاید احسا کا علاقہ وہ اُس سے چھیننے میں کامیاب ہو جائے گا۔

ابن سعود کا والیٔ کویت کو خط اور اُس کا جواب

ابن سعود نے الشیخ مبارک والیٔ کویت کو خط لکھا اور اُس میں اُس کے بیٹے سالم الصباح کی شکایت کی کہ وہ عجمان کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کھڑا ہو گیا ہے شیخ مبارک نے جواب میں لکھا کہ چونکہ میرے درمیان اور عجمان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔ میں نے تم سے جنگ کے لئے نہیں کہا تھا۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ اُن کو ڈرایا جائے اور ہمارے نقصان کو واپس دلایا جائے۔ جو انہوں نے کیا ہے۔ میں نے تمہیں یہ تو نہیں کہا تھا کہ اُن کو اُن کے ملک سے باہر نکال دیا جائے اور اُن سے جنگ وجدال کیا جائے۔

والیٔ کویت شیخ مبارک کی وفات اور اُس کے بیٹے شیخ جابر کی امارت

عبدالعزیز بن سعود یہ جواب سن کر بہت برافروختہ ہوا۔ اور وہ اس سلسلہ میں حق پر تھا۔ اب اُس نے ارادہ کیا کہ دوبارہ نئے سرے سے عجمان اور شیخ مبارک سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ مگر اس ارادے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ ۱۳۳۴ھ میں الشیخ مبارک امیر کویت کی موت واقع ہو گئی۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا جابر امارت کے لئے منتخب ہوا۔ اس سال اُس نے ابن سعود اور انگریز سے پھر نئے سرے سے معاہدہ کر لیا جو کہ معاہدۂ قطیف کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد برطانوی معتمد نے درمیان میں ہو کر جابر ابن الصباح اور ابن سعود میں صلح کرا دی۔ اور دونوں کے اتفاق سے عجمان کو کویت سے نکال دیا گیا۔ یہ معاہدہ جابر ابن الصباح کی وفات تک بدستور قائم رہا۔

ابن سعود اور سالم الصباح کے درمیان تعلقات

جابر الصباح کی موت کے بعد اُس کا بھائی سالم الصباح کویت کا والی مقرر ہُوا۔ وہ ابن سعود سے دشمنی رکھتا تھا۔ معاہدہ کو توڑ دیا اور تمام نجدی تجار کو کویت سے باہر نکال دیا۔ پھر ۱۳۳۶ھ میں اُس نے ارادہ کیا کہ ایک نیا شہر بنایا جائے اور اُس میں ایک قصر شاہی تعمیر کیا جائے۔ اِس کے لئے بلبول کی جگہ منتخب کی جو کہ قطیف کے تابع تھی۔ ابن سعود نے انگریز کے پاس یہ شکایت لکھی کہ یہ علاقہ چونکہ ہماری مملکت میں ہے اِس ارادے کی تکمیل سے پھر جنگ شروع ہوگی۔ اس لئے انگریز سے مطالبہ کیا کہ وہ سالم الصباح کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ جب سالم الصباح کو انگریز نے خبردار کیا تو وہ اپنے ارادے سے باز آگیا۔

سالم الصباح کی شرارت اور اُس کا نتیجہ

جب وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہُوا تو اُس نے اِس کے جواب میں یہ کیا کہ قریہ بجہ کے قبیلہ مطیر کے اخوان کو یہاں سے نکال دیا۔ یہ حجت پیش کرتے ہوئے کہ یہ علاقہ کویت کے تابع ہے۔ اخوان ان حالات کو دیکھ کر جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے اور فیصل الدویش جو کہ اُن کا رئیس تھا کے گرد جمع ہو گئے۔ کویتی لشکر کو انہوں نے مار بھگایا۔ جو کچھ اُن کے پاس تھا مالِ غنیمت کے طور پر اُس پر قبضہ کر لیا۔

سالم الصباح کا جنگ پر اصرار

برطانوی وکیل نے صلح کی کوشش کی مگر سالم الصباح نے سوائے لڑائی

کے اور کوئی حل نہ پایا۔ اُس نے ابنِ رشید سے مدد طلب کی۔ اُس نے حائل سے ایک لشکر روانہ کیا جو کہ کویتی فوج میں شامل ہو گیا۔ الشیخ سالم کی قیادت میں جہرا کے مقام پر سب جمع ہو گئے۔ سعودی لشکر فیصل الدویش کی قیادت میں صبیحیہ کے مقام پر نازل ہوا۔ فیصل الدویش نے الشیخ سالم پر جہرا میں یکبارگی حملہ کر دیا وہ تاب نہ لا سکے شکست کھا گئے۔ ۱۳۳۹ھ میں فیصل الدویش نے جہرا پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ اور سالم الصباح کو اُس کے محل میں گھیر لیا۔

سالم الصباح کی فیصل الدویش سے غداری

شیخ سالم نے فیصل الدویش کو دھوکہ دیا اور کہا کہ میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انگریز سے بھی مدد طلب کی انگریز نے اپنی کشتیاں کویت کے ساحل کی طرف روانہ کر دیں اور ساتھ ہی عراق سے انگریزی ہوائی جہاز سعودی لشکر کے سروں پر پرواز کرنے لگے اور اِن کا محاصرہ کر لیا۔ اخوان دوبارہ اپنے مرکزوں میں واپس لوٹ آئے اسی دوران میں سالم الصباح کی وفات ہو گئی اس کے بعد اُس کا خلیفہ احمد الجابر الصباح کویت کی امارت پر متمکن ہوا۔ اور اُس نے ہمیشہ ابن سعود سے دوستانہ تعلقات رکھے اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور کویت کے سعودی عرب کے ساتھ بہت ہی دوستانہ تعلقات ہیں۔

ابن سعود اور انگریزوں کے آپس میں تعلقات

بیسویں صدی کی ابتدا میں انگریز کے لئے خلیج عربی میں بہت کچھ توقعات وابستہ تھیں۔ کویت، قطر، بحرین اور جنوبی عراق پر ان کا بہت بڑا اثر اور نفوذ تھا۔ جب ابن سعود کی شہرت تمام بلادِ عربیہ میں گونج اٹھی۔ اور اُس نے اپنی مملکت کو

وسعت دے کر خلیج عربی تک پھیلا لیا تو انگریز نے اُسے محبت کے پیغام بھیجنے شروع کئے۔ بحرین کے برطانوی وکیل نے عقیر کے اجتماع میں ۱۳۳۱ھ میں اتفاق کی بہت کوشش کی۔ مگر اُن کی غرض پوری نہ ہوئی۔ دوسرے سال کویت کا برطانوی وزیر ابن سعود سے مسلح کے مقام پر ملا اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ مگر اس دفعہ شیخ والی کویت نے اُس کو اتفاق اور صلح سے منع کر دیا۔ جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو انگریزوں نے تمام امرأ عرب سے اتفاق کی کوشش کی انہوں نے اپنے وکیل شکسپیر کو ابن سعود کے پاس اسی مقصد کے لئے روانہ کیا۔ یہ وہی انگریز ہے جو کہ بعد میں جراب کی جنگ میں قتل ہوا تھا۔ اور اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ آخر کار سر برسی کوکس جو کہ خلیج عربی میں برطانیہ کا نمائندہ تھا کے ساتھ ۱۳۳۴ھ میں قطیف کا معاہدہ منعقد ہوا۔ اِس معاہدہ کی بنا پر برطانیہ نے ابن سعود کے استقلال کا اعتراف کیا اور تسلیم کیا کہ وہ نجد، احساء، قطیف اور خلیج کے تمام اہم مقامات کا مستقل بادشاہ اور امیر ہے۔ اور ابن سعود سے اُس کی پوری امداد کی حمایت کا وعدہ بھی کیا۔ اور یہ معاہدہ بھی ہوا کہ انگریز آئندہ شریف حسین کو عرب کے بادشاہ سے موسوم نہیں کریں گے۔ صرف اُسے حجاز کا ہی بادشاہ تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے معاوضہ میں ابن سعود اور اُس کی اولاد انگریز کی تمام املاک کی حفاظت کرے گی۔ اور کسی دوسری اجنبی حکومت کو انگریز کے مشورہ کے بغیر کوئی امتیاز نہیں دیا جائے گا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ ابن سعود انگریز کی نصیحتوں کا پابند رہے گا۔ اور انگریز کے زیرِ اثر ریاستوں پر کسی قسم کا اعتداء اور ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ابن سعود کی مجبوری اور معاہدے کا قبول کرنا

اس معاہدہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ کس حد تک ظلم پر مبنی ہے جس میں بہت حد تک ابن سعود کو باندھا گیا اور اُس کی حق تلفی کی گئی مگر ابن سعود مجبور تھا حالات کا تقاضا تھا کہ اس وقت یہ سب کچھ قبول کر لیتا۔ دوسری طرف یہ معاہدہ ابن سعود کے مستشاروں کی قلتِ فہم پر بھی دلالت کرتا ہے۔ لیکن آگے چل کر معاہدہ جدہ سے اس کی تلافی کر لی گئی اور پہلی خطا کو درست کر لیا گیا۔ باوجود اس معاہدہ کے ظلم کے اور ابن سعود کے حقوق کے پامال کرنے کے بھی ابن سعود اپنے معاہدے کا پابند رہا۔ تربہ کی فتح کے بعد طائف کی طرف آگے نہ بڑھا صرف انگریزوں کے معاہدہ کی پابندی کی خاطر یہ سب کچھ ہوا ورنہ اخوان اگر اُس وقت چاہتے تو بڑی آسانی سے طائف کو فتح کر سکتے تھے۔

فتح طائف اور شریف حسین کی انگریزوں سے فریاد

اس کے بعد جب سعودیوں نے طائف کو فتح کر لیا اور مکہ میں داخل ہو گئے شریف حسین نے انگریزوں سے فریاد طلب کی اور کہا کہ ابن سعود کے تقدم کو روکا جائے۔ مگر انگریزوں نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے دینی امور میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتے۔ یہ کہہ کر اُس نے پیچھا چھڑا لیا۔

ابن سعود کی خود مختاری کا اعلان اور معاہدۂ جدہ

جب ابن سعود نے حجاز کو فتح کر لیا اور اُس پر پوری طرح سے قابض ہو گیا تو ۱۳۴۵ھ میں انگریزوں اور ابن سعود میں ایک نیا معاہدہ ہوا جو کہ معاہدہ جدہ

سے معروف ہے۔ اِس معاہدہ سے قطیف کا پرانا معاہدہ ختم ہو گیا۔ انگریز نے ابن سعود کے استقلال کو تسلیم کر لیا اور اقرار کیا کہ اس کو سیادت تامہ کا حق حاصل ہے جس حکومت سے چاہے اپنے تعلقات قائم کرے اپنے ملک کی مصلحت کے لئے اِسے پوری آزادی ہے کہ جس ملک سے بھی تعلقات قائم کرنا چاھے کر لے۔ اس سے قبل معاہدہ قطیف کے ماتحت ابن سعود ان تمام رعایات سے محروم تھا اور انگریز کے مشورہ کے بغیر کسی اجنبی حکومت سے تعلق نہیں قائم کر سکتا تھا۔ معاہدہ کی پہلی شق یہ تھی کہ حکومت برطانیہ ابن سعود کے استقلال کو تسلیم کرتی ہے اور اُسے حجاز نجد اور دیگر ملحقات کا خود مختار بادشاہ تسلیم کرتی ہے۔

ابن سعود اور ترکوں کے آپس میں تعلقات

شروع شروع میں ابن سعود اور ترکوں کے درمیان اچھی خاصی عداوت تھی کیونکہ اتراک ابن سعود کے مخالف ابن رشید کے حلیف تھے۔ اسی لئے ترکی کے والی نے ابن سعود کو احسا سے باہر نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ ریاض پر چڑھائی کرنے کے لئے وہاں تیاریوں میں مشغول تھا۔ جب ابن سعود کے بازو مضبوط ہو گئے اور وہ قصیم پر قابض ہو گیا۔ تو ابن رشید نے ترکیہ سے مدد طلب کی۔ ترکی حکومت نے ابن رشید کی مدد فوج اسلحہ اور توپوں سے کی۔ ترکی لشکر بکیریہ اور شنانہ کے معرکوں میں ابن رشید کی فوج کے ساتھ شریک ہوا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اُن کے بہت سے آدمی قتل ہوئے اور ابن سعود کے ہاتھوں شکستِ فاش کھانی پڑی۔ حکومت ترکیہ نے پھر دوبارہ ایک نیا لشکر تیار کر کے فیضی پاشا اور صدقی پاشا کی قیادت میں قصیم روانہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عبدالرحمٰن

الفیصل ابن سعود کے باپ کے ساتھ زبیر میں صلح کا ہاتھ بھی بڑھایا۔ ترکوں نے یہ تجویز پیش کی کہ قصیم کا علاقہ متنازعہ فیہ علاقہ قرار دیا جائے۔ اور یہ حکومت ترکی کے قبضہ میں رہے۔ قصیم والوں نے اِس تجویز کو مسترد کر دیا۔ ترکی فوج کا ایک حصہ جو کہ فیضی پاشا کی قیادت میں تھا وہ پیچھے ہٹ گیا اور یمن میں ترکی لشکر سے جا ملا جو کہ اُس وقت امام یمن سے برسرپیکار تھا۔ صدقی پاشا اور اُس کا لشکر باقی رہ گیا وہ شیحیہ کے مقام پر آنے والے واقعات اور انقلاب کا انتظار کر رہا تھا۔

عبدالعزیز آلِ رشید کا قتل اور اُس کے بیٹے متعب کی اُمارت

اچانک انہیں خبر ملی کہ عبدالعزیز آلِ رشید قتل ہو گیا ہے جو کہ سعودیوں کے ساتھ روضہ کے مقام پر برسرپیکار تھا۔ ترک اپنے حلیف کو مقتول پا کر بہت حیران ہوئے۔ اُدھر متعب بن عبدالعزیز نے باپ کی جگہ اُمارت سنبھال لی اور ابن سعود کے ساتھ صلح کر لی۔ اس کے باوجود ترکی قائد نے کوشش کی کہ قبائل کو اپنی طرف مائل کیا جائے۔ مگر ابن سعود بھی ان سے غافل نہ تھا اپنا کام شروع کر دیا اُس کی اور نئے ترکی قائد کی ملاقات ہوئی۔ جس کا نام سامی پاشا الفاروق تھا۔ پہلے صلح پر متفق ہو گئے بعد میں پھر اختلاف کیا۔

ابن سعود کی ترکوں کے ساتھ فیصلہ کن بات

یہ دیکھ کر ابن سعود نے ترکوں کو جنگ کی وارننگ دے دی۔ کہا کہ یا تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ یا نجد کی سرزمین خالی کر کے یہاں سے نکل

جاؤ۔ انہوں نے نجد خالی کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ابن سعود نے انہیں ساز و سامان سمیت مدینہ پہنچایا اور وہاں سے عراق پہنچ گئے۔ ترکی حکومت کے والی سلطان عبد الحمید علی حسن نے ابن سعود کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے حکومت ترکی کی فوج کے ساتھ بہترین معاملہ کیا اور ان کو عزت و تکریم سے اُن کے ملک واپس لوٹا دیا۔

سعد بن عبد الرحمٰن کی گرفتاری اور ابن سعود کا ترکوں سے معاہدہ

۱۳۳۰ھ جب شریف حسین نے ابنِ سعود کے بھائی سعد بن عبد الرحمٰن کو گرفتار کر لیا اور مکہ لے آیا۔ اور کہا کہ میں اس کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ ابن سعود حکومت ترکی کو چھ ہزار ریال مجیدی سالانہ ادا نہ کرے۔ ابن سعود نے اس معاہدہ کو قبول کیا اور اپنے بھائی کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر بعد میں اس خراج میں سے ایک ریال تک بھی ان کو نہ دیا۔

احساء کی فتح کے بعد ابن سعود ایک نئے دور میں

جب ابن سعود احساء پر قابض ہو گیا تو ۱۳۳۱ھ میں ان دونوں کے علاقات نے ایک نئے دور میں قدم رکھا۔ اتراک اپنی قوت کو پہچان چکے تھے۔ حالات نے انہیں صلح پر مجبور کیا۔ چنانچہ ۱۳۳۲ھ میں صبیحیہ کے مقام پر السید طالب نقیب کی قیادت میں ایک وفد تیار کیا گیا جس نے ابن سعود سے ملاقات کی اور دونوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اور یہ طے پایا کہ حکومت ترکی ابن سعود کو اسلحہ اور مال سے مدد دے گی۔ اس اتفاق پر

ابھی عمل بھی نہیں ہوا تھا کہ پہلی عالمگیر جنگ شروع ہو گئی۔ جنگ شروع ہو جانے کے بعد ترکوں نے دوبارہ ابن سعود سے اس معاہدہ کی تجدید چاہی مگر ابن سعود نے انکار کر دیا۔ کیوں کہ اُس کے ملک کی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرے۔

ابن سعود کے عراق اور شرق اُردن کے ساتھ تعلقات

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ملک فیصل ابن الشریف کی حکومت قائم ہوئی اور اسی طرح شرق اردن میں اس کے بھائی اور امیر عبداللہ کی حکومت قائم ہوئی یہ دونوں حکومتیں انگریزی حکومت کی نگرانی میں تھیں۔ عراق اور شرق اردن کی حدود چونکہ ابن سعود کی حکومت کے ساتھ ملتی تھیں۔ اس لئے انگریز کی یہ پوری کوشش تھی کہ اس علاقہ میں امن وامان قائم رہے اسی دوران میں بعض قبائل کی طرف سے ایک دوسرے پر کچھ چھوٹے موٹے حملے ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے کے واقعات بھی رونما ہونے لگے۔ سب سے بڑا واقعہ سنہ ۱۳۴۳ھ میں رونما ہوا۔ جبکہ عراق کے بعض قبائل نجد کے بعض قبیلوں پر کچھ ظلم وتعدی کی اس بنا پر سعودیوں نے اُن پر فیصل بن الدویش کی قیادت میں ایک لشکر بھیج کر چڑھائی کر دی۔ سعودی لشکر اُن کے ساتھ اور یوسف بک السعدون کے ساتھ جو کہ عراقی حدود پر بجانہ کے مرکز کا قائد تھا اُلجھ گئے اور اُن سب کو شکست دے کر اُن کے غار اور شقراء کے مراکز پر قبضہ کر لیا۔ اس خبر سے نجف اشرف اور کربلا میں شور برپا ہو گیا۔ فوراً انگریزوں کے ہوائی جہاز حرکت میں آئے اور سعودیوں پر پرواز کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سعودی لشکر کو انہوں نے پھر نجد میں دھکیل دیا۔ ان حالات کے ماتحت

انگریزوں نے ایک مؤتمر المحمرۃ میں منعقد کی جس کا مقصد ان ملکوں میں حدود کا تعیّن کرنا تھا۔ تاکہ آئندہ اس قسم کے حوادث نہ ہونے پائیں۔ ابن سعود نے ان تمام فیصلوں کو جو مؤتمر میں طے کئے گئے تھے نامنظور کیا اور اُس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ چند ماہ کے بعد پھر دوبارہ ایک مؤتمر عقیر میں منعقد کی گئی جس میں سلطان ابن سعود خود بھی حاضر ہوا۔ اور عراق کی جانب سے سر پرسی کوکس مندوب عراق کی حیثیت سے حاضر ہوا۔ کویت کا مندوب بھی حاضر ہوا۔ اس مؤتمر میں بقعہ حیادیہ جسے عونیر بھی کہا جاتا تھا نجد اور عراق کی سرحد متعین ہوئی۔ اسی طرح منطقہ حیاد نجد اور کویت میں سرحد متعین ہوئی۔ اس کے چند ماہ بعد عراق کے قبیلہ شمر کی طرف سے بعض ابن سعود کے قبائل پر چھوٹے موٹے حملے کئے اور انہیں لوٹا کھسوٹا گیا۔ اس سلسلہ میں سلطان ابن سعود نے انگریزوں کے وکیل اور ملک فیصل کو لکھا۔ مگر عراقی حکومت اور انگریزوں کا مندوب حالات پر قابو پانے سے عاجز آگیا۔ شرقِ اردن کی فوجوں نے مسلح کے بعد دیہاتوں پر قبضہ کر لیا۔ جو کہ ابن سعود کی حدود میں واقع تھے۔ ابن سعود نے ان کو وہاں سے نکالنے کا قصد کیا تو انگریزوں نے دخل دیا اور لڑائی سے روک دیا اور یہ طے پایا کہ مسائل کو صلح سے طے کیا جائے۔

کویت کی مؤتمر

ایک دفعہ پھر انگریزوں نے کویت میں ایک نئی مؤتمر کے منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس میں چند امور پر بحث کرنا مطلوب تھا۔ اُن امور میں سے اہم امور یہ ہیں۔ (۱) قبائل شمر کا مسئلہ جو کہ عراق میں اپنا وطن بنا چکے تھے (۲) نجد اور شرقِ اُردن کے درمیان حدود کا متعین کرنا۔ (۳) نجد اور حجاز کے مشاکل کا حل۔

سلطان ابن سعود نے اس مؤتمر میں شرکت کی دعوت قبول کر لی۔ اس شرط پر کہ نجد کا وفد عراقی وفد اور شرق کے اردن کے وفد کے ساتھ علیحدہ علیحدہ گفتگو کرے گا۔ چنانچہ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ میں مؤتمر کویت منعقد کی گئی۔ ملک حسین کے نہ حاضر ہونے کی بنا پر مؤتمر ناکام رہی۔ کیونکہ اردن کے مندوب نے یہ شرط لگا دی تھی کہ مؤتمر کے جملہ قراردات نافذ نہیں ہوں گے کہ جب تک کہ ملک حجاز اس کو قبول نہیں کرے گا۔ پہلے تو اجتماع میں کچھ تاخیر کر دی گئی مگر اس کے بعد اس کو بالکل ختم کر دیا گیا۔

نجدی تاجروں پر زیادتیاں اور ابن سعود کی حرکت

اس کے بعد ۱۳۴۳ھ میں قبائل حویطات اور بنی صخر نے نجدی تاجروں پر کتنی دفعہ زیادتیاں کیں جب کہ وہ شام کی طرف جا رہے تھے۔ سلطان ابن سعود نے یہ دیکھ کر دو ہزار پونڈ کا مطالبہ کیا۔ کہ وہ لوٹ مار کا خسارہ پورا کریں اور آئندہ کے لئے اُن کی گوشمالی بھی ہو جائے حکومت عمان اس کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ سلطان ابن سعود کو مجبوراً قوت استعمال کرنی پڑی سعودی اخوان کے دستوں نے شرق اردن کی طرف حرکت کی اور اُس میں داخل ہو گئے۔ دار الخلافہ کے قریب پہنچ گئے۔ چنانچہ انگریزوں نے ہوائی جہازوں سے ان کا راستہ روک لیا۔ اور توپیں اور ٹینک اُن کے سامنے لا کھڑے کئے۔ یہاں تک کہ نجدی اخوان واپسی پر مجبور ہو گئے۔

بحرہ اور حدا کا معاہدہ

ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ میں انگریزوں نے اپنے مندوب سر جلبرت کلاتیوں کے ذریعہ سے سلطان ابن سعود سے چند اور معاہدے کئے جب کہ وہ جدہ کا محاصرہ

کئے ہوئے تھا۔ پہلا معاہدہ تو نجد اور عراق کی حدود کی تعیین میں تھا۔ اور یہ قرار پایا کہ قبائل کے تنقلات کے وقت اُن کے اوپر ایک خاص مراقبہ ہونا چاہیئے اور جو زیادتی کرے اس پر ایک خاص سزا لگانی چاہیئے۔ دونوں جانب سے ایک خاص عدالت مقرر کی جائے جو ان مسائل پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کرے۔ اور اس معاہدے کا نام اتفاقیہ بحرہ یا معاہدہ بحرہ رکھا گیا۔ دوسرا معاہدہ نجد اور شرقِ اردن میں تھا اور وہ بھی بالکل پہلے معاہدہ کی طرح تھا جس کو معاہدہ حدا کہا گیا۔ اس معاہدہ سے حدود متعین ہو گئیں اور حالات درست ہو گئے اور امن قائم ہو گیا اس طرح نجد عراق اور شرقِ اردن کا نزاع ختم ہو گیا۔ جب ۱۳۴۸ھ میں ملک عبدالعزیز بن سعود نے فیصل الدویش اور بعض باغی اخوان کو مار بھگایا تھا اور وہ عراق اور کویت میں پناہ لینے کے لئے پہنچ گئے۔ تو حکومتِ برطانیہ نے انہیں ابن سعود کے سپرد کر دیا۔ انگریزی مندوب نے شاہ ابن سعود اور شاہ فیصل عراق کے بادشاہ کا اجتماع کرایا یہ اجتماع رمضان ۱۳۴۸ھ میں منعقد ہوا جس کی بنا پر اُن دونوں کے تعلقات اور بھی استوار ہو گئے۔

ابن سعود اور امامِ یمن کے آپس میں تعلقات

ابتداء میں ابن سعود اور امامِ یمن میں بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ جب عسیر کا علاقہ نجد کی حکومت میں شامل ہو گیا اور ادراسہ جو کہ عسیر کے والی تھے یمن بھاگ آئے اور وہاں پناہ لی۔ امامِ یمن نے ابن سعود کے پاس اُن کی سفارش کی جو کہ ابن سعود نے قبول کر لی۔ اُن کی واپسی کے لئے گفتگو ہوتی رہی مگر بات نہ بن سکی۔ اس کے بعد دونوں ملکوں میں حدود کے سلسلہ میں نزاع پیدا ہوا جو کہ ان میں آپس میں مشترکہ تھی ابہا میں دونوں حکومتوں کے وفد گفتگو کے لئے جمع ہوئے۔ دونوں

وفدوں نے شدت اختیار کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۵۲ھ میں دونوں حکومتوں میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ مگر یہ جنگ دو ماہ سے زیادہ نہ قائم رہ سکی۔ ان دو ماہ میں سعودی لشکر جو کہ ولی العہد الامیر سعود کی قیادت میں اور ابن سعود کے حجاز میں نائب امیر فیصل کی قیادت میں تھا حدیدہ اور رمیدی پر قبضہ کر کے یمن میں داخل ہو گئے۔ اب حالات کو دیکھ کر امام یمن نے صلح کی درخواست کی ملک عبدالعزیز ابن سعود نے درخواست قبول کرلی۔ عرب کے بعض امرا اور زعما درمیان میں آگئے اور ان سب کو خون ریزی سے بچالیا۔ سعودیوں نے مقبوضہ زمین امام یمن کے سپرد کر دی اور یہ سب کچھ صلح کی خاطر تھا۔

طائف کی مؤتمر

۱۳۵۳ھ میں طائف کی مؤتمر منعقد ہوئی جس میں عبداللہ بن وزیر امام یحییٰ کی جانب سے اور امیر خالد بن عبدالعزیز اپنے دادا ابن سعود کی جانب سے شریک ہوا مؤتمر اسلامی کا ایک وفد بھی اس میں شامل ہوا۔ یہ معاہدہ طائف کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کی اہم شروط یہ تھیں۔

(۱) نجران کا علاقہ المملکتہ العربیۃ السعودیہ کو سونپ دیا جائے۔ (۲) ادراسہ کو ابن سعود کے حوالہ کر دیا جائے۔ (۳) ایک دوسرے کے جملہ قیدی رہا کر دئے جائیں۔ (۴) سعودی لشکر نے یمنی اراضی کے جن مقامات پر قبضہ کیا ہے وہ اس سے دست بردار ہو جائیں۔ اس معاہدہ سے جنگ ختم ہو گئی اور دونوں ملکوں کے درمیان بہترین تعلقات قائم ہو گئے۔

ابن سعود اور مصر کے درمیان تعلقات اور جامعہ عربیہ کی تشکیل

ملک عبدالعزیز نے جب حجاز کو فتح کر لیا تو مصریوں نے ابن سعود سے رابطہ

قائم کرنا چاہا ملک فؤاد نے ایک وفد اس مقصد کے لئے شیخ مراغی کی قیادت میں ابن سعود کے پاس بھیجا تاکہ اُس نزاع کو ختم کیا جائے جو کہ ابن سعود اور ملک علی کے درمیان اس وقت قائم تھا مگر وفد اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔

سعودی اخوان اور مصری لشکر میں نزاع

جب حجاز مکمل طور پر سعودی حکومت میں شامل ہو گیا اور ابن سعود کا پورے طور پر اُس پر قبضہ اور تسلط قائم ہو گیا۔ تو ۱۳۴۳ھ میں ایک عظیم فتنہ رونما ہُوا۔ وہ یہ کہ سعودی اخوان اور مصری لشکر جو کہ مصری محمل کی نگرانی کے لئے آئے ہُوئے تھے میں نزاع واقع ہو گیا اور دونوں طرف سے بڑی شدت سے گولیاں اور آگ ایک دوسرے کی طرف برسانے لگے ابن سعود نے فوری طور پر اپنے بیٹے امیر سعود کو ایک مختصر فوجی دستہ دے کر روانہ کیا تاکہ اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔ چنانچہ امیر سعود اس آگ کو بجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس حادثہ سے مصر سے حجاز کی طرف محمل کا آنا بند ہو گیا اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ عرصہ دراز تک دوستانہ تعلقات ختم رہے۔ اس کے بعد اختلاف دُور ہُوا اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں۔ حکومت مصر نے المملکۃ العربیہ السعودیہ کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔ ان تعلقات کی بنا پر پھر مصری محمل کا آنا شروع ہو گیا چنانچہ دوسری عالمگیر جنگ میں تعلقات اور بھی وسیع ہو گئے بلکہ تمام عرب ممالک ان کے ساتھ متحد ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ میں تمام امرا اور ملوک عرب ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ پہلی جنگ عظیم میں اُن کی یہ حالت نہ تھی۔ ان سب میں بہت قوی صلہ اور رابطہ قائم ہو گیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان تمام کے حوادث تقریباً یکساں تھے۔ ان حوادث پر قابو پانے کے لئے جامعہ عربیہ کی

تشکیل کا نظریہ قائم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپس میں ایک دوسرے کی زیادتوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ ۱۳۶۴ھ میں ملک فاروق حجاز میں آیا۔ اور ملک عبدالعزیز سے رضوی میں ملاقات کی۔ اس کے مقابلہ میں ملک عبدالعزیز مصر کی زیارت کے لئے اسی سال روانہ ہوا۔ یہاں مسٹر روزویلتھ اور مسٹر چرچل سے بھی ملاقات کی پھر رسمی طور سے ۱۳۶۵ھ میں مصر کی زیارت کی۔ رئیس شکری قوتلی نے جو کہ سوریا کے رئیس تھے شاہ ابن سعود کی مکہ مکرمہ میں زیارت کی۔ پس ان اور اتصالات نے جامعہ عربیہ کو تشکیل دی جیسا کہ اس کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

داخلی اصلاحات

مسلسل اور پے در پے جنگوں کی بنا پر جس سے ابن سعود کو دوچار ہونا پڑا المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کو مستحکم کرنے کے لئے فرصت نہ ملی کہ اپنی مملکت کی داخلی اصلاح کر سکے۔ ان حروب سے فارغ ہو کر جب کہ سارے عالم میں اُس کا چرچا ہو رہا تھا۔ داخلی اصلاح کی طرف توجہ دی اور مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اصلاح کی طرف قدم بڑھایا جن میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ابن سعود کا لقب

(۱) اہل ریاض نے ۱۳۱۹ھ میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود کے ہاتھ پر نجد کی اُمارت کی بیعت کی۔ ان کا یہ لقب ۱۳۳۹ھ تک چلتا رہا۔ اس کے بعد جب امراء روسا القبائل، اور زعماء الاخوان کی ایک مؤتمر ریاض میں ہوئی تو انہوں نے سلطان کی حیثیت سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس

کے بعد آپ کا لقب سلطان نجد و ملحقات تھا۔ اس کے بعد جب آپ نے حجاز فتح کیا تو ۱۳۴۴ھ میں انہوں نے آپ کے ہاتھ پر ملک ہونے کی حیثیت سے بیعت کی اُس کے بعد آپ کا لقب ملک الحجاز و سلطان نجد و ملحقات ہوا۔ اس کے بعد اہلِ نجد نے ۱۳۴۵ھ میں آپ کو ملک کے نام سے پکارا اُس کے بعد آپ کا لقب ملک الحجاز و نجد و ملحقات ہو گیا۔

مملکت کے نام کا انتخاب

(۲) اس کے بعد ۱۳۵۱ھ میں مملکت کے عظما کا ایک اجتماع ہوا جس میں طے پایا کہ مملکت کا ایک نام ہونا چاہئیے چنانچہ اس وقت سے تمام مملکت کا نام المملکۃ العربیۃ السعودیۃ رکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بادشاہ کا لقب ملک المملکۃ العربیہ السعودیۃ طے پایا۔ چنانچہ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کی بنا پر مستقل طور پر ملک اور بادشاہ کا یہ لقب ٹھہرا۔ اس لقب کے تغیر و تبدل کے باوجود آپ کی رعایا آپ کو فرطِ محبت سے جس لقب سے پکارتی تھی وہ (یا ایہا الامام یعنی اے امام یا طویل العمر یعنی آپ کی عمر دراز ہو اور یا عبد العزیز) کا لقب ہے۔ شاہ سعود اس سے ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ مسرور ہوتے تھے۔ اس سے اُن کی تواضع اور جمہوریت پسندی اور قومی عدل و انصاف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولی عہد کا تقرر

(۳) تیسرا قدم جو انہوں نے اٹھایا وہ ملک کو متحد کرنے کے لئے تھا۔ تاکہ ملک عبد العزیز ابن سعود کے عہد حکومت میں اس کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں۔

اس کے مستقبل پر گہری نظر ڈالی تاکہ آئندہ چل کر اس کا امن واَمان برقرار رہے اور پھر جاہلیت کی طرح خانہ جنگیوں کی آماجگاہ نہ بن جائے۔ اور اس بات کا لحاظ بھی کیا کہ ملک موجودہ اسلامی معاشرہ کے ماتحت ترقی کرتا ہے اور عالمی میدان میں ایک خاص مقام حاصل کرلے۔ اِن مقاصد کے پیش نظر سعود بن عبدالعزیز جو کہ آپ کے بڑے فرزند ارجمند تھے کو اپنا ولی العہد مقرر کیا۔ ان کے اندر زعیم بننے کی پوری صلاحیتیں موجود تھیں اور دوسری طرف ثقافت دینی سے بھی عالمی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی شجاعت کریمانہ اخلاق اور ارادہ کی پختگی ضرب المثل تھی۔ اپنے اندر بالغ نظر رکھنے والے ایک مستقل مزاج انسان تھے۔ چنانچہ ۶ محرم ۱۳۵۲ھ مکہ مکرمہ میں مجلس الوکلاء مجلس الشوریٰ اور ریاستہ القضاء کے جملہ ارکان نے امیر سعود بن عبدالعزیز کے ولی العہد ہونے کی بیعت کی۔ اس کے بعد چاروں طرف سے دیوان ملکی میں ملک کے کونے کونے سے بیعت کے سلسلہ میں تار موصول ہونے شروع ہوئے۔ قصرِ ریاض ۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ کو ایک بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں اس بیعت کا اعلان کیا گیا۔ آل سعود کے تمام امراحاضر ہوئے اس کے علاوہ مشائخ، علماء، آلِ رشید کے بڑے بڑے آدمی مجلس شوریٰ کا ایک وفد مکہ سے اور مختلف اقالیم کے وفود حاضر ہوئے سب نے امیر سعود کے ہاتھ پر بیعت کی اور اقرار کیا کہ باپ کے بعد وہ اپنے باپ کا ولی عہد ہوگا۔

بدوؤں کی آبادی اور اخوان کی نشأہ

(۴) اس قرن کی ابتداء میں جس میں کہ ابن سعود ایک دینی اور اسلامی حکومت کی طرح ڈال رہا تھا۔ اس وقت بدو بالکل سابقہ زمانہ کے بدوؤں کی طرح جنگلوں پہاڑوں وادیوں اور چراگاہوں میں سرگرداں تھے۔ نہ وہ ایک جگہ قرار پکڑتے تھے اور نہ

ہی بستیاں آباد کرنے کی طرف راغب تھے۔ اپنی زندگیوں کو ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تنقلات میں گزارتے تھے۔ اور ہر وقت پا بر کاب رہتے تھے۔ پانی کے چشموں اور گھاس پھوس کی جگہوں کے متلاشی رہتے تھے۔ اور ابتدا سے لڑاکے سرکش نافرمان تھے اور حکام کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے ماتحت رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جنگ وقتال گویا اُن کی فطرت میں سمویا گیا تھا۔ نجدیوں کو لُوٹا کھسوٹا اور عراق بھاگ گئے۔ عراقیوں کو لُوٹا تو شام چلے گئے۔ شامیوں کو لُوٹا تو صحرا میں آ ڈیرے لگائے۔ اِس لئے اُن پر سیطرہ اور غلبہ پانا بڑا مشکل تھا وہ بڑی جلدی اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اور اتنی ہی سرعت سے بکھر بھی جاتے تھے۔ کسی حال پر ثابت قدم نہیں رہتے تھے اور کسی امیر سے مخلصانہ رویہ نہیں برتتے تھے۔ غدروں اور جنگوں میں ان کا مقصد سوائے کسب و مقسم کے اور کچھ نہ تھا حالت یہ تھی کہ کبھی تو وہ اپنے امیر کے ہاتھ میں تلوار ہوتے تھے اور کبھی دوسرے دن اُس کی پیٹھ میں خنجر تھے۔

ابن سعود نے اپنی حکمتِ عملی کی بنا پر شروع شروع میں اُن سے کافی مدد حاصل کی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اُن کی بہت کچھ سختیاں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہُوا کہ وہ ابن سعود کو اکیلے کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور کئی دفعہ ایسا بھی ہُوا کہ لڑتے لڑتے دشمن سے جا ملے اس لالچ پر کہ وہ دوسری طرف سے مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ پھر ابن سعود سے معافی مانگ کر اس میں آملتے۔ اسی طرح پھر اُن سے خیانت سرزد ہوتی۔ ان حالات کے پیشِ نظر ابنِ سعود اُن کو ہمیشہ لڑائی میں سب سے آگے رکھتا تھا۔ اور اُن کے پیچھے شہری دیہاتی فوج ہوتی تھی۔ یہ اس لئے تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں اور اُن کے خلاف کوئی انقلاب نہ بپا کریں۔ ابن سعود نے بہت سے قبائل سے جنگ کی اور انہیں اپنی طرف مائل

کر لیا۔ آپ کے آباؤ اجداد کا بھی یہی دستور تھا۔ ابن سعود نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک بہت عظیم الشان منصوبہ تیار کیا جس کی مثال سابق میں نہیں ملتی۔ وہ یہ کہ انہوں نے بدوؤں کو منظم کیا اور انہیں شہروں اور دیہاتوں میں رہنے کی ترغیب دی۔ ان کے لئے بستیاں بنائی گئیں۔ شہروں اور دیہاتوں میں گھر بنا کر گھر مفت اُن کے حوالے کر دیئے گئے۔ زمین کے ٹکڑے کاٹ کر مفت اُن کے نام الاٹ کر دیئے گئے۔ انہیں زراعت کی طرف رغبت دلا کر مشغول کر دیا گیا، یہ سب کچھ اس لئے تا کہ ان پر پورا تسلط قائم ہو جائے۔ وہ حکومت کو نقصان پہنچانے کی بجائے حکومت کے لئے مفید ثابت ہوں۔

آبادیوں کا قیام

(۵) اِس اصلاحِ عظیم کی بنا پر دین کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ ابن سعود نے اُن میں مبلغین مرشدین اور وعاظ کو روانہ کیا۔ تا کہ بدؤں کے خیموں اور بادیہ میں جا کر دین و توحید سکھا کر اُس کے واجبات اور فرائض سے روشناس کرایا جائے۔ اور انہیں بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا واجب کیا ہے اور کیا کچھ حرام کیا ہے۔ دعوت و تبلیغ نے اُن کو بہت حد تک متأثر کیا چاروں طرف سے حق کی دعوت قبول کرنے لگے۔ اس بنا پر کس حد تک اُن کے جملہ اُمور درست ہو گئے۔ اِس کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا۔ کہ اُن کے لئے دیہات اور قریٰ کو زینت دی گئی اور کچھ خرید و فروخت کی منڈیاں قائم کی گئیں جس میں وہ اپنے مال مویشیوں کی خرید و فروخت کرنے لگے۔ چراگاہوں سے ہٹ کر زراعت میں مشغول ہونے لگے۔ علماء کی اطاعت کرنے لگے بدؤں کے لئے دیہات بنائے گئے جس میں مساجد تعمیر کی گئیں۔ ان بستیوں کے چاروں طرف انہیں زراعت اور

کھیتی باڑی کی آزادی دی گئی۔ سب سے پہلی بستی جو قائم کی گئی وہ وارطاریہ کی بستی ہے جو کہ بریدہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ بستی ۱۳۳۰ھ میں قبیلہ مطیر کے لئے بنائی گئی۔ بدو جوق در جوق ان بستیوں میں آباد ہونے لگے یہاں تک کہ ۱۳۴۷ھ تک ان بستیوں کی تعداد ۱۲۰ تک پہنچ گئی۔ ان مہاجروں نے سفید رومال کو جو کہ وہ اپنے سر پر رکھتے تھے اپنا ایک امتیازی نشان بنا لیا اور اپنے آپ کو اخوان سے پکارنے لگے۔ لڑائی کے وقت یہ سب لوگ جہاد میں کود جاتے اور صلح کے وقت میں عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ ان میں اکثریت تقریباً ایسی تھی جو کہ ابن سعود پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ مگر علماء اور مرشدین نے ان کو کام کرنے کی ترغیب دی اور اس میں کامیاب ہوئے۔ وہ کھیتی باڑی اور خرید و فروخت میں دل لگانے لگے۔ جہاد کی روح نے ان کی زراعت خرید و فروخت میں کوئی کمی نہ کی۔ بلکہ ان خیرات کو دیکھ کر اُن میں جہاد کے جذبات اور زیادہ تیز ہو گئے۔ ابن سعود نے ان میں سے ایک بڑا عظیم الشان لشکر تیار کیا جن میں عظیم الشان دینی روح کے علاوہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے جذبات تھے۔ یہ توحید پرستوں کا لشکر شہریوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثابت قدم اور لڑائی میں سب سے زیادہ شدید تھا۔ یہ وہی لشکر ہے جس نے ابن سعود کے مدِمقابل کا منہ موڑ دیا اور حجاز کو فتح کر لیا۔ عراق اور کویت میں جہاد کرتے ہوئے عمان کے دروازے جا کھٹکھٹائے۔

ان تمام محاسن کے باوجود اخوان ابن سعود کے عظیم الشان اصلاحی پروگرام کے حسن جمال کو اپنے جہل کی بنا پر کسی حد تک نقصان پہنچا رہے تھے۔ تعصب نے انہیں ایک دوسرے کی تکفیر پر آمادہ کیا۔ بدوؤں میں جو ابھی تک دیہاتی زندگی سے متنفر تھے اُنہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اُن کی تکفیر کی جاتی تھی

اہل قریٰ ان کی جان و مال کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے ذبیحہ تک کو حرام کہتے تھے اس بنا پر انتشار پیدا ہوا اور ملک کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا۔ چنانچہ امام ابن سعود نے ۱۳۳۷ھ ریاض میں ایک بہت بڑی مؤتمر قائم کی جس میں تمام علماء اور رؤسا جمع ہوئے جس میں کئی قسم کے قراردات اور فتوے طے پائے گئے۔ اور یہ طے پایا کہ اخوان میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہو گی۔ دیہاتی زندگی اختیار کرنے والے اور دوسرے بدؤں میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس طرح اُن کے تعصب اور غلو کو ختم کیا گیا۔ اس طرح ابن سعود اس اصلاحِ عظیم میں کامیاب ہوا۔ تمام بدوؤں کو ضابطہ میں لا کر امن و سلامتی کو برقرار رکھا حکمت عملی سے اُن کو کام پر مجبور کیا جس سے ملک کی ثروت میں اضافہ ہوا۔ رفتہ رفتہ وہ تہذیب و تمدن اور نئی ثقافت کے خوگر ہو گئے۔ اور اُن کی نفرت دور ہو گئی۔

سبلہ کا واقعہ، الدویش کا انجام اور اخوان کا انقلاب

ابن سعود کے قدم جب فتح و کامرانی نے چومے اور تمام ملک میں امن برقرار ہو گیا۔ تو شاہ سعود نے اجنبی حکومتوں سے کچھ معاہدے کئے۔ جیسا کہ انگریزوں سے بھی معاہدہ کیا۔ اِس کے ساتھ ہی ساتھ نئی نئی ایجادات سے فائدہ اٹھانے کی طرف دھیان دیا۔ چنانچہ تار ٹیلیفون اور موٹروں کا استعمال شروع کیا۔ اخوان میں سے جو بہت متعصب قسم کے تھے شاہ سعود کی اس ادا پر بہت خفا ہوئے۔ اور اُس پہ تہمت لگانے لگے کہ اس نے کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے دین کو مسمار کر دیا۔ اور یہ بھی کہنے لگے کہ صرف اس نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ہی دین و اسلام کا دعویٰ کیا تھا۔ جب مقصود حاصل ہو گیا

تو دین کو چھوڑ دیا۔ اخوان اور قبائل کے درمیان اس کے متعلق بہت بڑی بڑی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ وہ شریعت کے قیام کے لئے پوری کوشش کریں گے جس کو ابن سعود نے برباد کر دیا ہے۔ اس حرکت کے قائد فیصل الدویش تھے جو کہ قبیلہ مطیر کے زعیم تھے۔ اور اس کا ساتھ سلطان بن بجاد نے بھی دیا۔ متعصب قسم کے اخوان جن میں ناجائز قسم کا تشدد تھا ساتھ شامل ہو گئے۔ اور ان کی تائید کرنے لگے۔ ان کو دیکھ کر قبائل مطیر اور عجمان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ یہ سب مل کر اخوان کو بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے۔ ابن سعود بہت مجبور ہوا۔ چنانچہ اُن کو خوش کرنے کے لئے ریاض میں تار اور ٹیلیفون کا سلسلہ بند کر دیا۔ ابن سعود خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں اخوان سر نہ اٹھائیں اور ملک کے امن کو تباہ نہ کر دیں اس لئے اُن کو ہر قیمت پر راضی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن الدویش اس بات پر بھی راضی نہ ہوا۔ ملک میں شور برپا کیا اور ملکی مشاکل میں اضافہ کر دیا۔ ۱۳۴۶ھ میں اپنے بعض حواریوں کو حدود پر عراقی محافظوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا اور محافظ دستہ کو قتل کر دیا۔ اس بنا پر برطانوی سلطان نے اُن تمام قبائل کو جو کہ حدود پر تھے نجد لوٹنے کا حکم دیا اور انہیں ڈرایا۔ پھر اُن پر ہوائی جہازوں سے حملہ کیا اور انہیں بھگا دیا۔ پھر حکومت برطانیہ نے حجاز میں ان مشاکل کو حل کرنے کی بات چیت کی جس کی وجہ سے اخوان ان حکومتوں کی حدود پر حملہ کر رہے تھے جو کہ انگریز کی حمایت میں تھیں۔ بات چیت کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیوں کہ اخوان کا مطالبہ تھا کہ حدود پر جو نگران چوکیاں قائم کی گئی ہیں۔ ان کو اٹھا لیا جائے عراق اور برطانیہ نے اپنے جائز حقوق کے مطابق اخوان کے حملوں کو روکنے

کے لئے حدود پر بہ حفاظتی چوکیاں قائم کی تھیں۔

مؤتمر ریاض

جب ابن سعود حجاز کی اصلاح سے ریاض واپس لوٹا تو ایک بہت بڑی مؤتمر منعقد کی چونکہ یہ مؤتمر عام تھی اس میں علمائے اخوان کے تمام رؤسا اور جملہ قبائل کے زعما شریک ہوئے۔ فیصل الدویش اور ابن بجاد اس مؤتمر میں شریک نہ ہوئے۔ بادشاہ ابن سعود نے جمہور کے سامنے یہ بیان کیا کہ میں تخت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تمہیں اختیار ہے کہ جس خاندان سے چاہو میری جگہ کسی کو اپنا بادشاہ یا امیر مقرر کر لو۔ کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ میں ایسی قوم کے امور کی باگ دوڑ کو سنبھالوں جو کہ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہو۔ سب نے اس سے انکار کیا۔ پھر آپ نے اُن سے یہ طلب کیا کہ جو کچھ شرعی طور پر میرے اندر خامیاں ہیں وہ مجھے پیش کرو میں شریعت کے حکم کے سامنے جھکنے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے برقی تار وغیرہ کا ذکر کیا۔ اُسی وقت علمائے نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا پھر انہوں نے حدود پر فوجی چوکیوں کا ذکر کیا۔ شاہ ابن سعود نے جواب دیا عراق جو چوکیاں بنانے کے لئے مجبور ہُوا تو وہ الدویش کے غزوات کی وجہ سے ہے، اور اُس کے ظلم و اعتداء کی بنا پر انہوں نے اپنی حفاظت کا سامان کیا ہے۔ سب حاضرین نے الدویش اور اُس کے ساتھیوں سے بریت کا اظہار کیا۔ اور شاہ سعود کے ہاتھ پر سمع اور طاعت کی بیعت کی۔

سبلہ کا معرکہ

فیصل الدویش نے سرکشی کی اور عراق و کویت کی حدود پر حملہ کر دیا۔ بلکہ

نجدی قافلوں پر بھی حملے کرنے شروع کر دئیے۔ اُس کا شر دُور دُور تک پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ملک ابن سعود کے ساتھ بھی جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ابن سعود نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے جنگ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ اُس نے اپنے لشکر کو قصیم کی طرف جمع کرنا شروع کر دیا تاکہ اُس پر رعب طاری ہوجائے۔ پھر بریدہ سے زلفی کے مقام پر ڈیرے ڈال دئیے ادھر الدویش سبلہ میں فوج جمع کر چکا تھا۔ ابن سعود نے اُسے کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی۔ اُس نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ابن سعود نے اپنے لشکر کا منہ باغیوں کی طرف موڑ دیا اور سبلہ میں داخل ہو کر شوال ۱۳۴۷ھ میں ایک خونریز جنگ شروع کر دی۔ باغی اخوان کی تعداد چار ہزار تھی اس کے مقابلہ میں ابن سعود کا لشکر چالیس ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ معرکہ کی ابتداء میں باغی باوجود حملہ کی شدت اور قلتِ عدد کے میدان میں ڈٹے رہے۔ آخر شکست کھا کر بھاگ نکلے الدویش اور ابن بجادنے ارطاویہ میں پناہ لی۔ پھر ابن سعود کو وہاں سے خط لکھنے لگے اور معافی کے طلب گار ہوئے۔ ابن سعود نے اُن کو معاف کر دیا۔ ابن بجاد نے اپنے آپ کو ملک ابن سعود کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ شاہ سعود نے اُسے جیل میں ڈال دیا۔ فیصل الدویش نے وعدہ کیا کہ وہ زخم اچھے ہونے کے بعد اپنے آپ کو ملک ابن سعود کے حوالہ کر دے گا۔

الدویش کا انجام

فیصل الدویش نے اپنے عہد کو پورا نہ کیا۔ بلکہ ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا۔ اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے پھر مختلف جگہوں پر حملے شروع کر دئیے۔ نجد اور احساء کے درمیانی راستے بند ہو گئے۔ ادھر حجاز کا راستہ نجد اور احساء سے کٹ گیا۔ اس کے بعد پیچھے

ہٹنا شروع کیا ایک مقام پر شکست کھا کر بھاگا اور اس معرکہ میں اُس کا بیٹا عبد العزیز قتل ہُوا۔ ادھر عراق کے بعض قبیلوں نے اپنا بدلہ لینے کے لئے اِن پر حملہ کر دیا۔ پس اس کو شکست دی اور ان کا مال لوٹا اور خوب غنیمت حاصل کی۔ وہاں سے مار کھا کر ابن سعود کے پاس ایک وفد روانہ کیا جس میں معافی کی درخواست پیش کی۔ اور کہا اگر مجھے معاف نہ کیا گیا تو کفار کے ساتھ مل جاؤں گا۔ ابن سعود نے اُسے معاف کر دیا مگر اس کے باوجود عراق میں پناہ لینے کے لئے بھاگ نکلا۔ سلطان ابن سعود نے برطانیہ کے مندوب کو خط لکھا کر الدویش کو اُس کے حوالہ کر دیا جائے۔ یا اُسے عراق سے باہر نکال دیا جائے۔ انگریزوں نے اُسے عراق سے باہر نکال دیا۔ مگر وہاں سے بھاگ کر کویت میں پناہ لی۔ مگر وہاں سے برطانیہ کی ایک جنگی کشتی سے پکڑا گیا۔ ملک ابن سعود نے ایک دفعہ پھر برطانیہ کے مندوب کو جو کہ عراق میں تھا خط لکھا اور معاہدے کو یاد دلایا اور کہا کہ اگر باغیوں کو عراق شرق اردن اور کویت سے باہر نہ نکالا گیا۔ اور مجرمین کو ہمارے سپرد نہ کیا گیا تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ کافی روز تک خط و کتابت اور مراسلات کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر انگریزی مندوب کا خلیج میں ملک عبد العزیز کے ساتھ اجتماع ہُوا۔ اس اجتماع میں الدویش اور اس کے ساتھی کو ابن سعود کے سپرد کر دینے پر اتفاق ہو گیا۔ اور یہ طے پایا۔ کہ عجمان، اور مطیر کے قبائل کو نجد روانہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ شعبان ۱۳۴۸ھ میں انگریز نے الدویش ابن حثلین اور ابن لامی کو شاہ سعود کے سپرد کر دیا۔ وہاں سے انہیں ریاض کے جیل خانہ میں لایا گیا۔ ۱۳۵۱ھ کو الدویش ریاض کے جیل خانہ میں مر گیا۔ اس کی موت سے اس فتنے کی جڑیں کٹ گئیں۔ اس اندھے فتنہ کا اختتام گویا ایک نئی فجر کے طلوع کی بشارت دے رہا تھا۔

امن کا بحال ہو جانا

(۴) ان تمام فتنوں کے ختم ہونے کے بعد امن وامان کا دور دورہ اس صورت میں رونما ہوا کہ اس وسیع تر مملکت میں اس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ پہاڑوں جنگلوں اور ریگستانوں کی کثرت اور مواصلات کی کمی کے باوجود یہ دنیا شر وفساد سے مامون و محفوظ ہو گئی۔ یہ فخر کس شخصیت کے لئے ہے جو دنیا کی تاریخ نے اپنے اوراق میں ثبت کیا ہے تمام لوگ اس کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ وہ ابن سعود ہے۔ جو آل سعود کا درخشندہ ستارہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا پرتو ہے۔ جس کا سب سے پہلا ہدف امن بحال کرنا تھا۔ اس راہ میں اس نے مکمل جہاد کیا یہاں تک کہ وہ اس مقصدِ عظیم میں کامیاب ہو گیا۔ کتنے امور ہیں جنہوں نے سلطان ابن سعود کو اس کی مہمات میں مساعدت کی ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تمام امارات کو ایک مستقل حکومت بنا کر ان میں وحدت پیدا کر کے جملہ اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں دے دیئے۔

۲۔ بدوؤں اور خانہ بدوشوں کی تنظیم اور انہیں دیہاتوں اور بستیوں میں آباد کرنا ایک بہت بڑا عظیم کارنامہ ہے جس نے عوام کو امن وسکون بخشا اور فتنوں کا سدِ باب ہوا۔ ان کا بادشاہ کے لئے مطیع ہو جانا۔ یہ سب کچھ انہی اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ اسی لئے وہ ان سب اعمال کو چھوڑ چکے تھے جو کہ جہالت کی وجہ سے کرتے تھے۔ خونریزی ڈاکے رہزنی چوری غیروں کا مال لوٹنا اور غصب کر جانا ان تمام چیزوں سے بہت دور ہو گئے۔

۳۔ شرعی احکام کا نفاذ۔ قاتل سے قصاص لینا، چور کے ہاتھ کاٹ دینا۔ زانی پر حد لگانا یا رجم کرنا۔ یہ وہ قانون ربانی ہے جس نے انسانوں کے دلوں میں خوف

پیدا کر دیا اور وہ ان تمام افعال قبیحہ سے باز آ گئے۔ اور تقویٰ شعار بن گئے۔

۴۔ قبائل کے رئیسوں پر ذمہ داری ڈالنا یعنی جو کچھ بھی ان کے علاقہ میں ہو وہ ہی اس کے ذمہ دار ہوں گے اور بادشاہ کے سامنے وہی جواب دہ ہوں گے۔ اس چیز نے امرا کے اوپر ذمہ داری کا وہ بوجھ ڈالا۔ کہ ہر آن اُن کو اپنی فکر نہیں بلکہ قوم کی فکر ہی ہوتی تھی کہ بادشاہ کے سامنے کیا جواب دیں گے۔ اس لئے انہوں نے امن قائم رکھنے کی ہر کوشش کی۔

۵۔ جن قبیلوں میں آپس میں نزاع تھا سب صلح سے طے کر دیا گیا۔ اور پرانی عداوتوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ سب بھائی بھائی بن گئے۔ اور اخوت اسلامی کے جذبات اُن میں پیدا ہو گئے۔

۶۔ امن کو بحال رکھنے کے لئے وزارت داخلیہ کا وجود رونما ہوا تاکہ داخلی امن کو بحال رکھا جائے۔ نئے انتظامات میں سے بعض اصول اصلاح کی خاطر لئے گئے پولیس کو منظم کیا۔ ٹرافک پر کنٹرول کیا۔ ساحلی فوج اور چوکیوں کو منظم کیا۔ جیلوں اور پولیس کی ٹریفک اور سکولوں کی اصلاح کی اور لاسلکی کا سلسلہ قائم کیا۔ گشت کرنے والے فوجی دستوں کو منظم کیا۔ اس طرح اس بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کی گئی اور امن کو پوری طرح بحال کیا گیا۔

ملک کے قدرتی وسائل کا استعمال اور استفادہ

ملکی امن کے استقرار کے بعد ملک عبدالعزیز بن سعود نے مختلف فنی جماعتوں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ معادن اور پٹرول کے خطوں کی کھدائی کی گئی۔ چنانچہ خلیج عربی کے ساحل پر بہت کثرت سے پٹرول پایا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں بہت سی امریکی کمپنیوں نے بہت اچھے شروط پر پٹرول نکالنے کا امتیاز حاصل کیا۔ پھر رفتہ رفتہ

تمام کمپنیاں متحد ہو گئیں اور مستقل طور پر ایک کمپنی کا وجود رہ گیا جو کہ شرکتہ آرامکو کے نام سے موسوم ہوئی جس کا معنی (شرکتہ البترول العربیۃ الامریکیہ) تھا۔ ظہران کے علاقے میں کافی تعداد میں تیل کے کنوئیں کھودے گئے۔ کتنے کارخانے پٹرول صاف کرنے کے قائم کئے گئے۔ راس تنورہ میں پٹرول کی ترسیل کے لئے بندرگاہ قائم کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جزیرہ عربیہ کے شمال کی جانب سے ظہران سے لے کر بحر ابیض المتوسط کی شامی بندرگاہ تک پٹرول لائن بچھائی گئی۔ پٹرول کی مقدار بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ روزانہ دس لاکھ ٹین سے بھی زیادہ آمد ہونے لگی۔ پٹرول کی آمدنی کا اکثر حصہ سعودی حکومت کے میزانیہ کا جزبننے لگا۔ اس کی آمدنے ملک میں چار چاند لگا دیئے۔ بڑی بڑی گراں قدر اصلاحات کا انحصار اس پر ہونے لگا۔ بڑے بڑے منصوبے اس کے بل بوتے پر قائم ہوئے۔ اسی طرح سونے کی کانوں کا وجود تلاش کیا گیا۔ مہد اور ظلم کے حصہ میں کافی ریسرچ ہوئی۔ وہاں سونا نکالنے اور اُسے ایک وضع تک لانے کے لئے ایک فیکٹری قائم کی گئی۔ رفتہ رفتہ وہاں سے بہت کچھ نفع حاصل ہونے لگا۔ اور یوں اس ملک کی مٹی سونا اُگلنے لگی۔ اور اس طرح ملک و ملت کو اُن کے اخلاص اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی بنا پر یہ ثمرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہی عطا کیا گیا۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اپنی ابتدائی دعوت کے موقع پر آلِ سعود کو جو بشارت دی تھی۔ کہ اگر تم اللہ کے دین کے لئے جہاد کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ہر نعمت کے دروازے کھول دے گا۔ آج وہ بشارت پوری ہوئی اور جماعت حقہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کا عزم کر لیا۔ تو دنیا اُن کے قدم چومنے لگی۔

کاش آج کا مسلمان یہ راز پالے۔ کاش آج کی کوئی ملکی قیادت اس پر غور و فکر کرے

کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو دنیا میں نافذ کرنے سے۔ کس طرح امن قائم ہوتا ہے اور کیوں کر دنیا کا فساد مٹتا ہے اور کس طرح رحمتوں کے دروازے اُس ملک اور قوم کے لئے کھلتے ہیں جو اس کا بیڑا اٹھا لیتی ہے۔ قرآن پاک ہی قوموں کو بلند کرتا ہے اور اسی کے چھوڑنے سے قعرِ مذلت میں گرتی ہیں۔ یہ ملک آج بھی ساری اسلامی دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور بیانگ دُھل پکار رہا ہے کہ اے خدا کے بندو اگر دنیا میں امن چاہتے ہو تو قرآن و سنت کو تھام لو اور اپنے مولا سے لَو لگا لو تو تمہارے معاملات خود بخود حل ہو جائیں گے۔

مرافقِ عامہ کی تاسیس

(۱) فوج (۲) تعلیم (۳) مواصلات (۴) زراعت (۵) صحت۔

(۱) فوج۔ ابتداء میں شاہ ابن سعود کی فوج نجدی مدن اور بدوؤں پر مشتمل تھی۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ پوری قوم ہی ان کی فوج تھی۔ کوئی منظم فوج جیسا کہ دورِ جدید میں مشاہدہ ہے نہیں تھی ۱۳۴۸ھ تک یہی حالت رہی۔ چنانچہ ۱۳۴۵ھ میں نظامی فوج کی بنیاد ڈالی گئی۔ فوجی اُمور اور مہمات کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کے بعد تمام غیر نظامی فوج کو ختم کر دیا گیا۔ طائف میں دفاع کا ایک بہت بڑا مرکز قائم کیا گیا۔ پیدل فوج۔ سوار فوج اور توپچیوں کے لئے اسلحہ کا تعین کیا گیا۔ اس کے بعد فوج کی تنظیم کر کے انہیں مختلف فرقوں اور بٹالین میں تقسیم کر دیا گیا۔

وزارتِ دفاع کی تشکیل

۱۳۵۶ھ میں وزارتِ دفاع کی تشکیل ہوئی۔ اس سے فوجی شعبہ میں کافی

ترقی ہونے لگی۔ کچھ فوجی وفود باہر کے ملکوں میں ٹریننگ کے لئے بھیجے گئے۔ داخلِ ملک میں فوجی سکول اور ملٹری کالج کھولے گئے۔ اسی دوران میں شاہی ہوائی فوج کا قیام عمل میں آیا اور انہیں ہوائی تربیت دی گئی۔

منظم فوج کے کارنامے

۱۳۶۷ھ میں جب فلسطین کی جنگ شروع ہوئی تو یہ جدید فوج مصری فوج کے ساتھ مل کر میدانِ عمل میں آئی وہاں اس فوج کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور حقیقت میں یہ ان کی بہت بڑی ٹریننگ تھی۔ اس طرح سعودی فوج نمو و ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہی۔ رفتہ رفتہ سعودی فوج جدید اصولوں کے مطابق ترقی کرتی رہی آج دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح ایک منظم فوج بن چکی ہے۔

تعلیم ۔ ابتدا میں نجد کے علاقہ میں دینی تعلیم کا ہی رواج تھا۔ اور وہ بھی مساجد کے اندر دی جاتی تھی۔ اور اس کا کافی دور دورہ تھا اور اسے فخر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک نے ہی ان مدارس کو جاری کیا تھا۔ خود بھی انہوں نے تعلیم کا مرکز مسجد کو ہی بنایا تھا۔ آپ کے بعد بھی یہ تعلیم اسی نہج پر جاری رہی امامت وخطابت اور مسجدوں کے اندر درس و تدریس کا سلسلہ بھی بڑی حد تک ان کے خاندان میں ہی جاری اور ساری رہا۔ میں نے ذاتی طور پر بھی مشاہدہ کیا جبکہ میں ریاض کے شرعی کالج میں زیرِ تعلیم تھا۔ کہ اکثر و بیشتر مساجد میں آلِ شیخ کے خاندان سے ہی علما مساجد میں درس وتدریس کا کام کرتے تھے۔ اس دورِ جدید میں بھی میں نے مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آلِ شیخ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی پرانی مسجد میں ہی مدرسہ بنایا ہوا تھا۔ طلبا باہر اور اندرونِ ملک سے جوق در جوق آتے تھے اور اُن کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتے

تھے۔ شرعی کالج کے طلبأ بھی اُن کے درس وتدریس سے استفادہ کرتے تھے اور میں خود بھی فقہ اور ابن کثیرؒ کے درس میں اُن کے حلقہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ ملک کے اکثر وبیشتر علمأ، قضاۃ، خطباء، ائمہ مساجد اور اُمر بالمعروف والنہی عن المنکر کے رؤسا انہی کے شاگرد ہیں۔ شیخ عبدالعزیز ابن باز جیسا زبردست عالم جس کا مقابلہ کرنے والے دنیا میں اس وقت بہت کم ہیں آپ بھی انہی کے خاص شاگرد ہیں جو کہ آج کل مدینہ منورہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں اور ریاض کے شرعی کالج میں فقہ اور توحید کے مدرس خصوصی بھی رہ چکے ہیں۔ الحمدللہ مجھے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پورے چار سال ریاض کے شرعی کالج میں میں نے اُن سے فقہ اور توحید میں بہت کافی استفادہ کیا اور وہ اس فنون میں ہمارے استاد خاص رہے۔

وزارت تعلیم کا قیام

بہرحال ملکؒ ابن سعود نے اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت کثیر تعداد میں نئے طرز کے مدارس بھی کھولے اور تعلیم کو عام کرنے کے لئے معاہد العلمیہ اور کلیات کا خاص اہتمام کیا۔ اس بڑھتی ہوئی ضرورت کے پیشِ نظر وزارتِ تعلیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ وزارتِ کا کام سنبھالتے ہی پوری تندہی سے کام کیا کالجوں اور سکولوں میں مصری ماہروں اور استادوں کو لایا گیا۔ دیگر عرب ممالک سے بھی اس سلسلہ میں استاد اور فنکار لائے گئے۔ جس سے تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ ان مدارس اور کالجوں سے کسی حد تک ملک کی ضرورت پوری ہونے لگی۔ قابل اور ذہین طلبا کے وفد بیرونی ملکوں میں روانہ کئے گئے۔ خاص طور پر مصر میں تاکہ وہ اعلٰے تعلیم کو حاصل کرکے ملک کی خدمت کے قابل بن جائیں۔ غرضیکہ علمی میدان میں ایک اچھی خاصی حرکت پیدا ہو گئی۔ طلبأ مدارس اور

معاہد میں جوق در جوق آنے لگے۔ حکومت نے انہیں تعلیم کا شوق دلانے کے لئے وظائف مقرر کئے تاکہ وہ اپنی تعلیم کو مکمل کر سکیں۔ چھوٹے بڑے سب تعلیم میں مشغول ہو گئے اور عمر کی قید اڑا دی گئی۔ میں نے دوران تعلیم مشاہدہ کیا کہ پچاس پچاس سال کے لوگ بھی ہمارے ساتھ شرعی کالج میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ قرآن حفظ کرنے کا ایک مرکز ریاض میں قائم کیا گیا۔ جس میں میں نے ستر سال کے بوڑھے دیکھے جو قرآن حفظ کر رہے تھے۔ اور انہیں ماہانہ وظائف ملتے تھے۔ ابن سعود نے اپنی حکمت عملی سے اپنی قوم کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ تعلیم کے شوق نے انہیں بے خود کر دیا تھا۔ کتنے خاندانوں کی پرورش تعلیم کے نام سے ہونے لگی۔ میں نے دوران تعلیم میں مشاہدہ کیا کہ باپ اور بیٹا ایک ہی درجہ میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں ایک شرعی کالج سے فارغ ہو رہے ہیں۔

تعلیمی حرکت کے نشاط کا سبب یہ بھی تھا کہ مدارس اور کلیات کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ دینی کتب کثیر تعداد میں شائع کر کے اُن کو طلبا میں تقسیم کیا گیا۔ تفسیر حدیث توحید اور فقہ کی بڑی بڑی گراں قدر کتابیں حکومت نے اپنے خرچ پر طبع کرا کر طلبأ اور علما میں تقسیم کیں۔ درسی کتابیں مدارس اور کلیات کی وہ کتابیں جو کہ داخل نصاب تھیں طبع کرا طلبا میں تقسیم کی گئیں۔ دوسرے ملکوں کے علمأ اور طلبأ کو بھی دینی کتابیں مفت تقسیم کی گئیں مقامی اخبار و جرائد اور مجلات شائع ہونے لگے۔ صوت الحجاز، البلاد السعودیہ، اُم القریٰ المدینۃ المنورہ۔ الیمامہ، المنحل۔ الحج کے طبع کرنے کا مقامی طور پر انتظام کیا گیا اس کے ساتھ ہی ساتھ بیرونی صحف اور مجلات کے آنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ ریڈیو سٹیشن قائم کیا گیا جس سے عوام کی تربیت ہونے لگی۔ ابن سعود کے اخلاص کی یہ ایک بیّن دلیل ہے۔ کہ وہ کس طرح سے اپنی قوم ملک اور وطن کا خیر خواہ تھا اور کس طرح سے اُن کی دینی اور اسلامی

تربیت کا خواہاں تھا۔

مواصلات۔ مملکۃ العربیہ السعودیہ چونکہ بہت وسیع مملکت ہے دور دراز تک پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ قائم ہے۔ طویل عریض صحرا دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ریگستان کا وسیع سلسلہ جس میں سفر کرنا بھی بہت دشوار اور مشکل ہے ایسے ملک میں مواصلات کا ذریعہ سوائے اونٹوں اور گھوڑوں کے اور کچھ نہ تھا۔ ملک ابن سعود نے استقلال واستقرار حاصل کرتے ہی پورے ملک کو ایک دوسرے سے ہوائی جہازوں اور موٹر لاریوں سے جوڑ دیا بڑی لمبی لمبی سڑکیں قائم کیں۔ ریاض سے الدمام تک ریلوے لائن بچھا کر ریل گاڑی چلادی۔ تار اور ڈاک کا سلسلہ قائم کر کے مختلف مرکز قائم کر دیئے۔ اس طرح پہاڑوں اور ریگستان پر غلبہ پا لیا اور دور دراز کے علاقوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ دور دور کے علاقے آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں۔ دور دراز سرحدوں کو شہروں کے ساتھ جوڑ کر اُن میں قربت پیدا کر دی۔ ان مواصلات کی بنا پر تجارت حرکت میں آئی۔ امن داخلی نے اس کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔

(۴) زراعت۔ ملک ابن سعود نے زراعت کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ بڑی کثرت کے ساتھ کنوئیں کھودے۔ بیرونی ممالک سے بڑی کثرت کے ساتھ کنوؤں سے پانی نکالنے والی مشینری خریدی۔ ان آلات کو مزارعین میں مفت تقسیم کیا۔ کنوؤں سے اونٹوں کے ذریعہ جو پانی نکالا جاتا تھا اس کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ ان اسباب کی بنا پر زرعی زمین کی مساحت اور رقبہ بڑھنے لگا۔ حکومت نے کثیر مقدار میں پھل دار درخت بیرونی ممالک سے منگوائے۔ اور انہیں جگہ جگہ لگا کر لوگوں کو باغ لگانے کی ترغیب دی۔ خرج کے علاقہ میں ایک شاہی فارم بنایا گیا۔ جس میں تین شعبے قائم کئے گئے، زراعتی فارم، ڈیری فارم اور

پولٹری فارم۔ میں جس زمانہ میں ریاض کے شرعی کالج میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ خرج کا علاقہ دیکھنے کے لئے گیا۔ اس سرسبز اور شاداب علاقہ کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ چاروں طرف باغات نخلستان لہلہا رہے تھے میں نے جدھر نگاہ اٹھائی۔ گندم جری باجرہ کے کھیت نظر آتے ہیں دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا تالاب کھود کر اُس میں مشینیں فٹ کی گئی ہیں تین تین مشینیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کے نیچے کوئی سمندر ہے بہرحال یہ مشینیں پانی ایک نہر میں پھینکتی ہیں بڑے زور شور سے وہ نہر جاری ہے میں نے اس نہر میں نہایا بھی ہے نہر پانچ فٹ چوڑی اور تقریباً چار فٹ گہری ہے جس میں بجلی کی رفتار سے پانی چلتا ہے پوری نہر پختہ ہے نہر میں آدمی آسانی سے کھڑا نہیں ہو سکتا تقریباً بیس میل لمبی اور آگے چل کر اس میں سے مختلف نالیاں اور جداول نکلتی ہیں جو کہ زرعی زمینوں اور باغوں کو سیراب کرتی ہیں۔ اس علاقے میں جا کر عربستان کا تصور ہی باقی نہیں رہتا ہے۔ اسی دوران میں وزارت زراعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے بعد آج تک کتنے بند بنائے گئے اور پاکستان کے کتنے انجنیر اور زراعتی کالجوں کے فارغ التحصیل یہاں کام کر رہے ہیں۔

(۵) صحت ۔ ابتدأ میں جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا صحت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ دم جھاڑوں ٹونوں ٹوٹکوں میں مبتلا تھے۔ یا غیر اللہ کے نام پر نذریں نیازیں دیتے تھے یا درختوں پتھروں اور قبروں سے اپنی بیماریوں کے لئے شفا طلب کرتے تھے۔ شیخ کی دعوت سے لوگ اس حالت سے نکلے دین کا صحیح شعور پیدا ہوا۔ جیسا کہ شیخ کی سیرت میں گذر چکا ہے۔ آئندہ آنے والے امرا اور حکما ہر وقت برسرپیکار رہے انہیں صحت کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ ملا۔ یہی حال ملک ابن سعود کا بھی ہے کہ تیس سال مسلسل جنگ و

جہاد میں صرف کر دیئے۔ اس لئے صحت کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ ملا۔ اطمینان حاصل کر کے صحت کی طرف بھی توجہ دی۔ جیسا کہ دوسرے اُمور کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ ملک ابن سعود نے طب جدید سے استفادہ حاصل کیا۔ اپنے ملک میں اس کو رواج دیا۔ ایک طبی ادارہ قائم کیا جس کی شاخیں سارے ملک میں قائم کر دیں۔ مکہ، جدہ، مدینہ طائف میں بہت بڑے بڑے ہسپتال قائم کئے۔ نجد کے اکثر شہروں میں ڈسپنسریاں قائم کیں۔ ہر جگہ علاج اور دوائیں مفت دی جانے لگیں۔ شامی اور مصری ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ امراض کا قلع قمع کرنے کے لئے ٹیکوں کا نظام قائم کیا۔ چیچک اور دیگر امراض کو ختم کرنے کے لئے اطباء ہر شہر میں دورہ کرنے لگے اور لوگوں کو ٹیکے لگائے گئے تاکہ وہ مختلف قسم کی امراض کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ کچھ گشتی شفاخانے بدوؤں اور دیہاتیوں کے علاج کے لئے بھی قائم کئے۔

(۶) **نقود**۔ ابتداء میں ملک کا کوئی خاص سکہ نہ تھا۔ ابن سعود نے ملک کا ایک خاص سکہ تیار کیا جو بادشاہ کے نام کے ساتھ ساتھ ملک کے شعار کا حامل بھی تھا۔ ایک مؤسسہ نقد بھی قائم کیا جو کہ نقود کا محافظ ہو اور اُس کے ماتحت سکہ تیار ہو۔ پھر اس کی شاخیں ملک میں قائم کر دی گئیں۔ اس کے بعد سعودی سکہ عالمی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور تمام حکومتوں نے اسے تسلیم کر لیا۔

(۷) **ریڈیو سٹیشن**۔ شروع شروع میں سعودی عرب میں ریڈیو آنے لگے۔ بعض لوگ دنیا کی خبریں سنتے تھے مگر یہاں کوئی ریڈیو اسٹیشن نہ تھا۔ اس کے بعد ابن سعود نے مکہ مکرمہ میں لاسلکی ریڈیو سٹیشن کا ایک مرکز قائم کیا۔ تاکہ اپنی رعایا اور دنیا کے دیگر ممالک کو اپنی آواز پہنچائی جا سکے اور عوام تک دعوت اصلاحی پیش کی جا سکے حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ سعودی عرب کی آواز ساری دنیا میں سنائی دینے لگی۔

(۸) ملک ابن سعود کے زمانہ میں تعمیر عامہ کی حرکت تیز ہوئی عمارات کا سلسلہ وسیع نہ

ہونے لگا۔ جس کی بنا پر تجارت پروان چڑھنے لگی۔ بندرگاہوں پر مغربی ممالک کے سامان کی آمد و رفت نے انہیں بہت مدد دی۔ اور بڑی سہولت سے مشرقی مغربی بندرگاہوں سے سامان اندرون ملک داخل ہونے لگا۔ راستوں کے پُرامن ہونے نے اور بھی مساعدت کی اس لئے ملک تعمیرات میں حیرت انگیز ترقی کر گیا۔

(۹) شروع میں کوئی عالمی مقام نجد کی حکومت کو حاصل نہ تھا۔ ملک ابن سعود کے عہد مبارک میں ملک وولی اور عالمی مرکز سے متمتع ہُوا۔ جامعۃ الدول العربیہ کا ایک عضو بن کر ھیئت الامم المتحدہ میں شامل ہُوا۔ اس کے بعد تمام ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ یہاں آکر اس مردِ عظیم کی داستان ختم ہوتی ہے میں نے اختصار سے کام لیا ہے ورنہ دنیا نے خوب اچھی طرح سے اس عظیم انسان کو اس کے کارناموں سے پہچانا ہے۔ وہ اعمال جبارۃ اور عظیم اصلاحات جو اس شخص کا ہی حصہ ہیں پتہ دیتی ہیں کہ ملک عبدالعزیز بن سعود کتنی عظیم الشان شخصیت کے مالک تھے۔ ہر صنف میں اُسے ایک بحرِ عمیق پایا۔ ہمیشہ کے لئے اُس کا نام دنیا کی تاریخ میں ثبت رہے گا۔

وفات ملک عبدالعزیز بن سعود

شاہ ابن سعود نے تقریبًا نصف صدی حکمرانی کی اس دوران میں اُس نے اپنے ملک کی عظیم الشان وسعت کا مشاہدہ کیا۔ اپنے پیہم جہاد اور دفاع کا ثمرہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انتڑیوں کی بیماری میں مبتلا ہُوا۔ پھر مرض کا حملہ شدید ہو گیا جبکہ وہ طائف میں تھا۔ بہت علاج کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ سوموار ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ بمطابق ۹ نومبر ۱۹۵۳ء جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اسی وقت آپ کو طائف سے ریاض پہنچایا گیا اور وہاں آل سعود کے مقبرہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا رحمۃ اللہ علیہ و جنت الفردوس

ماواہ آمین۔

۱۹۵۶ء میں جب کہ میں ریاض کے شرعی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ شوق پیدا ہوا کہ اس حکومت کے مؤسس اعلیٰ کی آخری آرام گاہ دیکھوں۔ اپنے ایک عزیز ترین دوست جو کہ ریاض میں المکتبہ السلفیہ کے مالک اور مینجر ہیں سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ملک عبدالعزیز بن سعود کے جنازہ میں بھی شریک تھا۔ اور تدفین میں بھی شریک تھا۔ چنانچہ ایک دن عصر کے بعد ٹیکسی لے کر ریاض سے دو میل باہر جنوبی جانب ایک مقبرہ میں پہنچے مقبرہ کے چاروں طرف کچی دیوار قائم تھی ایک بڑا دروازہ بھی تھا اور دیوار بعض جگہوں سے ٹوٹی ہوئی تھی ہم مقبرہ میں داخل ہوئے سنت کے مطابق اہل قبور پر سلام کہا۔ ذرا آگے بڑے چاروں طرف نگاہ ڈالی کوئی قبر بھی ایک بالشت سے زیادہ اونچی نظر نہ آئی۔ وہاں میں اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ شاید یہ سنت اس ملک کے سوا کسی اور دنیا میں نظر نہیں آتی ہوگی۔ اور بار بار خیال آرہا تھا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت نے ان کے دلوں کو کس طرح مسخر کر لیا تھا کہ شہنشاہیت اور ملوکیت کے باوجود وہ کتاب و سنت سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھنا چاہتے تھے۔ مقبرہ کے تقریباً درمیان میں پہنچ کر ہمارے دوست شیخ عبدالرؤف الملیباری نے بتلایا کہ یہ قبر شاہ ابن سعود کی ہے دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ قبر تقریباً زمین کے ساتھ پیوست تھی اس پر کنکریاں پڑی ہوئی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ بارش نے مٹی کو بہا دیا ہے اور کنکریاں باقی رہ گئی ہیں۔ ویسے قبر کا پورا نشان دکھائی دیتا تھا۔ نہ کوئی مقبرہ اور نہ کوئی پتھر اور نہ ہی کوئی کتبہ لکھا ہوا پایا۔ یہ وہ خدا کے نیک بندے تھے جن کی زندگی اور موت اسلام پر تھی سارے نجد میں میں نے کوئی پکی قبر نہ دیکھی اور نہ کسی پر مقبرہ اور قبہ دیکھا اگر وہ چاہتے تو وہاں ایک پرشکوہ مقبرہ کی تعمیر کر سکتے تھے۔ وہ یہ سب کچھ کیسے کر سکتے تھے جبکہ

اُن کے سامنے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاءِ راشدین کی زندہ مثالیں تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے آخری وقت میں اپنی بیٹی کو اپنی دو پرانی چادریں دیں اور کہا کہ اُن کو دھو کر صاف کر لینا اور اس میں مجھے دفن کرنا۔ بیٹی نے جواب دیا نئی چادریں بنانے میں کیا حرج ہے۔ فرمانے لگے نئے کپڑوں کے زندہ زیادہ مستحق ہیں چنانچہ خلیفۃ المسلمین کو دو پرانی چادروں میں دفن کیا گیا۔ ہم دونوں حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے روحانی سین کو دیکھتے رہے۔ اور اس پر غور و فکر کرتے رہے آخر میں اس مردِ مجاہد کے لئے کچھ دعائیں کیں۔ اور وہاں سے ایک عظیم الشان عبرت اپنی آغوش میں لئے شہر میں واپس آ گئے۔

ملک سعود بن عبد العزیز بن عبد الرحمٰن الفیصل آلِ سعود

آپ کی پیدائش۔ آپ ۳ شوال ۱۳۱۹ھ کویت میں پیدا ہوئے۔ عین اس وقت جب کہ آپ کے والد محترم ریاض میں فاتحانہ شان سے داخل ہو رہے تھے۔ آپ کی ولادت آلِ سعود کے لئے ایک بہترین فال اور ایک عظیم الشان بشارت تھی۔ آپ کے اخوال آلِ عریعر سادات قبائل میں سے تھے۔ آپ اپنے آباؤ اجداد اور اخوال کے خصائص کے حامل تھے آپ ۱۳۲۰ھ میں کویت سے ریاض شاہی خاندان کے ساتھ منتقل ہوئے۔ وہاں آپ کی بہترین قسم کی تربیت ہوئی۔ آپ نے قرآن پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کی تعلیم شروع کی اس کے ساتھ ہی ساتھ قرآن پاک حفظ کرنا شروع کر دیا۔ جب آپ سات سال کے ہوئے تو شیخ ابن مفسریح کے پاس قرآن پاک حفظ کرنا شروع کر دیا گیارہ سال کی عمر کو پہنچے تو قرآن ختم کر لیا۔ اس کے بعد تفسیر اور حدیث کی تعلیم شروع کر دی۔ اپنے باپ کے تعلیمی حلقہ میں قرآن و حدیث کا استماع کرنے لگے۔ اس کے بعد تاریخ اسلامی کا مطالعہ شروع کیا خصوصاً اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ کا گہرا

مطالعہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے نشانہ بازی بندوق چلانا اور سواری میں مہارت پیدا کی۔ بہرحال تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں اُن معارک میں کودنے کے قابل ہو گئے جن سے آپ کے والد دوچار تھے۔

جہاد اور عملی زندگی میں قدم

پہلا سیاسی کام جو شاہ سعود نے سرانجام دیا وہ اُن کا قطر کی حکومت کی طرف سفیر بن کر جانا ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں ملک عبد العزیز نے ایک وفد امیر سعود کی قیادت میں روانہ کیا جس کا مقصد امیر سلمان بن محمد کے سلسلہ میں بحث کرنا تھا جو کہ بھاگ کر شیخ قطر کی پناہ میں چلا گیا تھا اور بعد میں شیخ قطر نے ابن سعود سے اُس کے لئے عفو طلب کیا۔ امیر سعود نے یہ مسافت اونٹوں پر آٹھ دن میں طے کی پھر وہاں پہنچ کر شیخ قطر سے سلیمان کے متعلق گفتگو کی اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ امیر سعود سلیمان کو لے کر ریاض پہنچا۔ باوجود اتنی چھوٹی عمر کے سفارت کے فرائض سرانجام دینے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔

سعود کے جنگی کارنامے

(۱) **یاطب کا معرکہ۔** سب سے پہلا معرکہ جس میں امیر سعود شریک ہوا۔ یاطب کا معرکہ ہے۔ یہ جنگ آلِ رشید کی فوجوں سے لڑی گئی۔ جس میں امیر سعود کی بہت بڑی آزمائش ہوئی۔ آخر سعودی قوت فتحیاب ہوئی اور ابنِ رشید صلح کے لئے مجبور ہوا۔

(۲) وادی شعبیہ کا معرکہ۔ ۱۳۳۷ھ میں امیر سعود کو اُن کے باپ نے آلِ رشید کے حملہ کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ امیر سعود شمالی جانب متوجہ ہوا۔

وادی شعبیہ میں اپنے دوست قبیلوں کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔ یہ وادی جبل اُجا کے جنوب میں واقع ہے۔ کچھ دیر قیام کے بعد واپسی کو ترجیح دی۔ گرمی کی شدت کی بنا پر حائل کی طرف آگے نہ بڑھا کیونکہ وادی میں پانی اور گھاس وغیرہ ختم ہو چکا تھا۔ باپ نے بیٹے کی فراست پر اُس کو بہت مستحسن قرار دیا۔ اور اُس کی بہت تعریف کی۔

(۳۳) عتیبہ کی تادیب۔ جب ترمہ کی جنگ کے بعد ابن سعود ریاض لوٹا۔ تو اپنے ہونہار بیٹے سعود کو ۱۳۳۸ھ میں عتیبہ اور شریف حسین کے حلیف قبائل کی تادیب کے لئے روانہ کیا۔ امیر سعود نے جاتے ہی عتیبہ کے زعیم الخراص پر حملہ کر دیا اور اُس پر فتح پائی پھر دفینہ کی طرف لشکر کشی کی وہاں دشمن کا کافی ہجوم تھا۔ اُن پر زور دار حملہ کیا۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا۔

(۳۴) حائل کے معرکے۔ سلطان عبد العزیز دس ہزار کا لشکر تیار کر کے حائل کی طرف حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ قصیم میں لشکر کو جمع کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنے بھائی محمد بن عبد الرحمٰن کی قیادت میں دیا اور دوسرا حصہ اپنے بیٹے سعود کی قیادت میں دیا۔ دونوں کو حائل کے محاصرہ کا حکم دیا۔ دونوں نے حائل کا بڑا شدید محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد ابن سعود نے اپنے بھائی محمد بن عبد الرحمٰن کو واپس بلا لیا اور اور پوری قیادت امیر سعود کے سپرد کر دی امیر سعود بہت ہوشیاری سے محاصرے پر ڈٹا رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر عبد اللہ بن متعب حائل کے امیر نے ہتھیار ڈال دئے اور ان کے سامنے جھک گیا۔ امیر سعود نے اُس کو ساتھ لیا اور اپنے لشکر کے ساتھ ریاض واپس آگیا۔ پھر دوسری دفعہ باپ کے ساتھ حائل کا دوسری دفعہ

محاصرہ کیا۔ آخر کار امیر محمد بن طلال نے جو کہ آل رشید کا آخری چشم و چراغ تھا ہتھیار ڈال دیئے۔ اور ملک ابن سعود کو سونپ کر خود دست بردار ہو گیا۔

۵۔ سبلہ کا معرکہ۔ ۱۳۴۷ھ میں جب ملک ابن سعود اور اخوان میں نزاع پیدا ہوا اور وہ جنگ کے لئے آمادہ ہوا تو امیر سعود ایک فرقہ کا قائد بن کر اس معرکہ میں شریک ہوا یہاں بہت بڑی آزمائش میں مبتلا ہوا۔ آخر اخوان پر بڑی زبردست فتح حاصل کی۔ اور جو باقی میدان میں بچ گئے۔ اُن کو احسا کی طرف بھگا دیا۔ ۱۳۴۸ھ میں اُن کی خوب گوشمالی کی اور اُن کے اجتماع کو منتشر کر کے اُن کے درمیان حائل ہو گیا۔

۶۔ یمن کے خلاف جنگ۔ ۱۳۵۲ھ میں جب ملک عبدالعزیز بن سعود اور امامِ یمن یحیٰی بن حمید الدین کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ تو امیر سعود سعودی لشکر جو کہ نجران اور عسیر میں تھا کا قائد مقرر کیا گیا۔ آپ نے اپنی قیادت کا مرکز خمیس کو بنایا اس کے بعد اُبہا اور ظہران پھر صعدۃ اور یاقم میں منتقل ہوا۔ بڑی مہارت سے جنگ شروع کی۔ جس میں سعودی لشکر کامیاب و کامران ہوا یہاں تک کہ سعودی لشکر یمن میں داخل ہو گیا اور یہ وہی علاقہ ہے جس کو امامِ یمن نے ابن سعود کو دے کر صلح کر لی۔ باپ نے بیٹے کی شجاعت اور بہادری کے جوہر دیکھ کر بہت بڑا انعام دیا۔ اور شوال ۱۳۵۸ھ میں اُسے تمام سعودی لشکر کا قاعدِ اعلیٰ مقرر کر دیا۔

بیرونِ ملک میں سفر

آپ نے باپ کی موجودگی میں ہی بیرونی ممالک میں کافی سفر کئے تھے جنہوں نے انہیں دنیا کی صفِ اول میں لا کھڑا کیا۔ امیر سعود کا پہلا سفر ۱۳۴۶ھ میں مصر کی

طرف تھا اور یہ بیماری کے علاج کے سلسلہ میں تھا۔ آپ کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ جو کہ آپ اور آپ کے باپ کے مقام کے لائق تھا۔ ملک فواد اور سعد زاغلول پاشانے بھی آپ کا پُرجوش استقبال کیا۔ ولی عہد بننے کے بعد انہوں نے اٹلی، سویزا، فرانس، بلجیکا، ہالینڈ، برطانیہ، شرق اردن اور فلسطین کا دورہ کیا۔

ولایۃ العہد۔ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ۱۳۵۲ھ میں امیر سعود کو ان کے باپ نے ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس وقت سے شاہ سعود حکومت کے جملہ امور میں اپنے باپ کے ساتھ ان کا ہاتھ بٹانے لگا اور بوجھ کو برداشت کر کے اپنے باپ کے بوجھ کو ہلکا کیا۔ ملک کی سیاست میں حصہ لینے لگے اس دوران میں امیر سعود کے ہاتھوں بڑے بڑے کام سرانجام پائے۔ آپ اپنے باپ کی جگہ سفراء اور بڑے بڑے مہمانوں کا استقبال کرتے تھے۔ جب ملک عبدالعزیز بن سعود کی وفات ہوئی تو آپ کے ہاتھ پر بادشاہت کی بیعت کی گئی۔

تخت نشینی

ملک سعود بن عبدالعزیز المملکۃ العربیۃ السعودیہ کے عرش حکومت پر ۲ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں جلوہ فرما ہوا۔ آپ کے بھائیوں چچوں اور اہل حل وعقد نے دوبارہ بیعت کی تجدید کی عرش حکومت پر متمکن ہوتے ہی شاہ سعود نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنی سیاست کی تجدید کی اور آئندہ کے لئے دستورِ عمل کی تشریح کی اسی خطبہ میں اپنے ولی عہد کا بھی اعلان کیا۔ اور کہا کہ میرے ہاتھ پر شرعی بیعت کی گئی ہے اور یہ بارِ عظیم میری گردن پر ڈال دیا گیا ہے جس کی بنا پر مجھے عرش مملکت پر بیٹھنا پڑا۔ میں اپنے والد مرحوم کی سیرت کو ہی اپنا نصب العین بناؤں گا۔ آپ کی رائے اور خواہش کے مطابق ملک کے سارے کام سرانجام دوں گا۔

ملک کے تمام اُمورِ دینِ متین کے مطابق سرانجام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی حبلِ متین یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے سنبھالوں گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ اپنی جان و مال سے ان دونوں کی حفاظت کروں گا۔ اپنی قوم اور رعایا کی خوش حالی کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دوں گا۔ اللہ اللہ جب یہ اعلان ہو رہا تھا کتنے مسلمانوں کے دل تڑپ رہے ہوں گے جو کہ اس نعمت سے صدیوں سے محروم رہے ہیں۔ کتنا بڑا اعلان کتنا بڑا عہد جس سے کفر کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی ہو گی۔ اتنا بڑا اعلان جس سے پوری دنیا مرحبا کی صداؤں سے گونج اٹھی ہو گی۔ شیخ محمدؒ بن عبد الوہابؒ کا لگایا ہوا پودا برگ و بار لا رہا ہے۔ خدا کرے اس کو کبھی خزاں نہ آئے اور قیامت تک یہ توحید کا شجر برگ و بار لاتا رہے اور پورا عالم اسلام اس سے متمتع ہوتا رہے آمین!۔

شاہ سعود کا قوم کو خطاب

اپنی قوم کو خطاب فرماتے ہوئے شاہ سعود نے کہا۔ کہ اے میری قوم میں اس تاریخی گھڑی میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آپ کے سامنے یہ اعلان کروں کہ میں نے اپنے بھائی فیصل بن عبد العزیز کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے۔ میں اللہ تعا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ہاتھوں کو تھام لے اور ہمیں سہارا دے

شاہ سعود نے مملکت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی وہ کام سرانجام دیئے کہ جس کی وجہ سے آپ نے اپنی قوم کے دلوں کو مسخر کر لیا اور وہ جان و دل سے آپ پر فریفتہ ہونے لگے۔ جب انھوں نے اپنے ملک کی اقتصادی امکانیات کی طرف نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ ملک کو بہت بڑی آمد ہو رہی ہے

انہوں نے اسی وقت ملک کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا۔ داخلی اصلاحات شروع کر دیں۔ مختلف تعمیری اور عمرانی مشروعات قائم کئے جو بیان سے باہر ہیں۔ اور احاطۂ تحریر میں اُن کا لانا مشکل ہے۔ بعض اہم چیزوں کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔

مجلس الوزراء۔ شاہ سعود نے تخت سنبھالتے ہی وزراء کی ایک مجلس قائم کی جس کی ریاست ولی عہد امیر فیصل کے سپرد کی۔ تمام عمومی ادارے وزارت کی طرف منتقل کر دیئے۔ ہر ادارہ کے لئے ایک ایک وزیر کا تعین کر دیا گیا۔ مجلس وزراء کی تکوین رئیس الوزراء اُس کا نائب، مستشارین امانۃ العامہ کے مندوب، مراقبہ عامہ اور دیوان المظالم و مختلف ماہرین فنون سے ہوئی۔ اس کا پہلا اجتماع ۲ ر جب ۱۳۷۳ھ کو ریاض میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام امراء اور علماء مفتیٔ اکبر ملک کے بڑے بڑے آدمی اور کچھ سیاسی شخصیات شریک ہوئیں سب سے پہلا خطاب اس جلسہ میں شاہ سعود کا تھا جس میں انہوں نے اپنی داخلہ اور خارجہ پالیسی کا اعلان کیا۔ ملک کا اصلاحی پروگرام مجلس الوزراء کے سامنے پیش کیا جملہ وزارات جو قائم کی گئی تھیں اُن کا بیان کیا۔ اور میزانیہ کی تنظیم کا ذکر کیا۔ دیوان المحاسبہ اور دیوان المظالم کا ذکر کیا گیا۔

علمی ترقی سکولوں کالجوں اور درسگاہوں کا اجرا

شاہ سعود نے جہاں ملک کی بہت سی ضروریات کا خیال کیا اسی طرح تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ چنانچہ تعلیمی بورڈ کو وزارت میں تبدیل کر دیا۔ اور مستقل طور پر وزارتِ تعلیم قائم کی گئی۔ اس کے میزانیہ کو انیس ملیون سے بڑھا کر اسی ملیون ریال تک لے آئے۔ اسی سال تعلیمی ترقی کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ سننے

اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ پرائمری سکولوں کی تعداد سات سو تک پہنچ گئی جو
کہ مختلف دیہاتوں بستیوں قصبوں اور شہروں میں قائم کئے گئے۔ تمام بڑے
بڑے شہروں میں ہائی سکول قائم کئے گئے۔ مکہ مکرمہ میں شرعی کالج بھی قائم کیا۔
ریاض میں جامعۃ الملک سعود کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی۔ اسی سال کچھ
ٹریننگ سکول کھولے اور کچھ ٹیکنیکل سکولوں کا مختلف مقامات پر اجرا کیا۔ طائف
میں گرمیوں کے تعلیمی کورس کا ایک مرکز کھولا بڑی کثرت کے ساتھ نائٹ سکول
کھولے گئے تاکہ سارا دن کام کرنے والے تعلیم سے محروم نہ رہیں۔ وہ اپنی تعلیم کو
نائٹ سکولوں میں مکمل کر لیں۔ میں نے خود ریاض میں دیکھا کہ نائٹ سکولوں میں
اتنی ریل پیل تھی شاید دن کے مدارس میں اتنی رونق نہ ہو گی دیکھتے ہی دیکھتے ایک
ان پڑھ قوم دنیا کی صفوں سے آگے قدم بڑھانے لگی۔ اس کے علاوہ وزارت
تعلیم نے طلباء کے وفد بیرونی ملکوں میں تعلیم و تربیت پانے کے لئے بھیجے تاکہ وہ
وہاں سے ہائی اور عالی قسم کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور ملک و ملت کی تعمیر میں
حصہ لیں۔ چنانچہ اسی سال پانچ سو طالب علم مصر بھیجا۔ دو سو پچاس بیروت
یونیورسٹی روانہ کیے۔ پچاس طالب علم فنی تعلیم کے لئے امریکہ بھیجے اور پچیس کو
لندن میں روانہ کیا گیا۔ اسی طرح شام اور مصر سے بڑی کثرت میں مدرسین اور
فن کار منگوائے گئے تاکہ تعلیمی حرکت پوری طرح سے ملک میں کام کرنے لگے۔

دینی علوم کا چرچا اور شرعی سکولوں اور کالجوں کی تشکیل

دینی تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے لئے بادشاہ نے دینی معاہد بڑے
بڑے شہروں میں کھولنے کا حکم صادر فرمایا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک بہت
بڑا کالج ریاض میں کھولا گیا جس کے دو شعبے قائم کئے ایک شرعی کالج اور ایک

عربی ادب کا شعبہ یہ تمام دینی درسگاہیں مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کی ریاست میں دی گئیں۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے بڑے گراں قدر وظیفے مقرر کئے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا کیونکہ اس سے پہلے دینی تعلیم کا انتظام سوائے مسجدوں کے اور کہیں نہیں تھا۔ دینی معاہد اور شرعی کالج کھولنے کے بعد دینی تعلیم کا معیار بہت ہی بلند ہو گیا۔

علمی شہادات کا قیام

ان معاہد اور کالجوں کی سندیں اُسی طرح تسلیم کی گئیں جس طرح دوسرے مدارس اور کالجوں کی سندیں تسلیم کی گئیں تھیں۔ بیرونی دنیا کی یونیورسٹیوں نے بھی اس کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ان معاہد اور شرعی کالجوں سے نکلے ہوئے طالب علم قاہرہ اور ازہر یونیورسٹی کے تخصص میں داخل ہونے لگے۔ بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے تسلیم کیا۔ اندرونِ ملک میں ان سندات اور شہادتوں کی بہت بڑی وقعت ہو گئی۔ ان میں اور دوسروں کے گریڈ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ کاش دنیا کی دوسری اسلامی حکومتیں اس سے عبرت حاصل کریں اور اسلام کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ دیگر اسلامی ممالک میں دینی مدارس کی سندوں کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ اسلام اور اسلامی تعلیم کو زندہ رکھنے کے لئے موجودہ اسلامی حکومتوں کو دینی مدارس کی شہادت قبول کرنی چاہئے ورنہ لوگ دل برداشتہ ہو کر اس تعلیم کو چھوڑ دیں گے اور یہ ایک ملی خسارہ ہے جس کو کسی صورت میں بھی پورا نہیں کیا جا سکے گا۔

بہر حال یہ معاہد اور کلیات باوجود ابتدائی منزلوں کے بہت کامیاب ہوئے اور

ان کا علمی معیار بہت ہی اونچا ہو گیا۔ جس کی جاذبیت نے تشنگانِ علوم کو مختلف اقطارِ اسلامیہ سے جمع کیا اور لوگ جوق در جوق ان علمی درسگاہوں میں داخل ہونے لگے۔ اور اس پر فخر محسوس کرنے لگے۔

میں جب ۱۳۷۲ھ میں مکہ مکرمہ پہنچا تو نیت عمرہ کی تھی اور وہاں سے مجھے ازہر یونیورسٹی جانا تھا یہ پروگرام طے ہو چکا تھا۔ اور اسی نیت سے میں نے پاکستان میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہ مبارک سفر اختیار کیا تھا۔ مکہ معظمہ میں حرم پاک میں چند دن درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا کیونکہ ابھی کثرت کے ساتھ حاجی موجود تھے جنہوں نے ابھی اپنے ملکوں میں سفر نہیں کیا تھا۔ ان تقریروں کی وجہ سے بعض علما سے تعارف ہوا انھوں نے ریاض میں اسی شرعی کالج میں داخلے کی ترغیب دی جس کو قائم ہوئے ابھی دوسرا سال ہی تھا میں نے ان کے مشورہ کی بنا پر شاہ سعود کو تار دیا جس میں شرعی کالج میں داخل ہونے کی درخواست دی الحمد للہ درخواست منظور ہوئی۔ میں سرکاری خرچ پر ریاض پہنچ گیا میں پہلا پاکستانی تھا جو اس کالج میں داخل ہوا بلکہ پہلا بیرونی اسلامی ممالک کا ایک شخص تھا جو اس مبارک جگہ میں پہنچا۔ چار سال کے بعد تکمیل ہوئی اس کالج کی دوسری فوج میں میں شامل تھا جو کہ اس کالج سے فارغ ہوئی اور میں پہلا پاکستانی تھا جو اس کالج سے فارغ ہوا۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مرکز کو قائم رکھے اور یہاں سے علما تیار ہو کر نکلتے رہیں۔ جو کہ اسلام کی نشر و اشاعت میں لگے رہیں آمین

تعمیرات کا منصوبہ ۔ شاید سعودی عرب میں سب سے بڑا منصوبہ تعمیرات کا منصوبہ ہے۔ جس نے بڑے وسیع پیمانے پر حرکت کی۔ اس سلسلہ میں اس ملک کے باشندے حکومت سے بھی آگے نکل گئے۔ تعمیری مشروعات تو بہت ہیں مگر اُن میں چند کا ذکر مناسب ہو گا۔ مسجد نبوی کی توسیع ایک ایسا کارنامہ ہے۔

جس کی مثال سابق میں نہیں ملتی۔ حرم نبوی کی توسیع اتنی شاندار طریقے سے کی گئی جو اپنے جمال اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ جو کچھ اس پر خرچ کیا گیا اُس کو دیکھ کر حیرت گم ہو جاتے ہیں۔ مسجد الحرام کی توسیع جس کا حجر اساسی شاہ سعود نے شعبان ۱۳۷۵ھ میں رکھا جس کی تعمیر کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اس توسیع سے اتنی وسعت پیدا ہو جائے گی کہ ایک وقت میں پانچ لاکھ انسان آسانی سے نماز ادا کر سکے گا۔ اس کے اخراجات کا تخمینہ جو ابتدا میں لگایا گیا وہ ایک ہزار ملیون ریال ہے یعنی ایک سو کروڑ ریال۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ رقم ناکافی ہے چنانچہ اس رقم میں اور اضافہ کیا گیا۔ آئندہ سال میں تعمیر پوری طرح مکمل ہو جائے گی تو پھر معلوم ہوگا کہ کتنا صرف ہوا ہے۔ ریاض شاہ سعود کے عہدِ حکومت میں نجدی دیہات سے تبدیل ہو کر ایک جدید ترین شہر بن گیا۔ جس میں قصر ناصریہ۔ امراء کے محلات۔ شاہی مہمان خانے۔ بڑے بڑے ہوٹل۔ وزراء کی قیام گاہیں۔ بہت بلند اور پُر شکوہ عمارتیں بڑی بڑی جدید طرز کی وسیع مساجد جن میں بجلی کے پنکھے بجلی کی لائٹیں اور بہترین قسم کے لاوڈ اسپیکر سٹ کئے گئے۔ بڑی بڑی وسیع سڑکیں جس کے دونوں طرف سرسبز درخت اور درمیان میں پارکیں بنائی گئیں۔ بڑے بڑے چوکوں میں فواروں کا انتظام اور بہت فراوانی سے بجلی کا انتظام کیا۔ جہاں رات کو بھی دن کا سماں ہوتا ہے۔ چاروں طرف ان پارکوں اور فواروں میں پانی کی ریل پیل ہے زمین کے اندر پائپ لائن بچھائی گئی ہے جس سے ہر جگہ پانی پہنچ رہا ہے۔ جدید ریاض جو کہ شمال مشرقی جانب ایک نیا شہر آباد ہوا ہے وہ قدیم ریاض سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ گھوڑ دوڑ کا ایک وسیع ترین میدان بنایا گیا ہے جو دنیا کے متمدن میدانوں میں سے کسی صورت میں کم نہیں۔ جس شخص نے پانچ سات سال پہلے اگر ریاض دیکھا ہو تو وہ آج اسے دیکھ کر پہچان نہیں سکے گا کہ یہ وہی ریاض ہے۔ یہی حال جدہ۔ مکہ مدینہ اور دوسرے بڑے

بڑے شہروں کا ہے۔

ترقیٔ صحت۔ شاہ سعود نے وزارت صحت کے جملہ امکانیات میں زیادہ سے زیادہ توسیع کی۔ آپ کے عہدِ حکومت میں وزارت صحت کا میزانیہ پچاس ملیون بڑھ گیا۔ یعنی پانچ کروڑ زیادہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے وزارتِ صحت بڑے بڑے عمومی ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ چنانچہ ترقی کرتے کرتے پندرہ بہت بڑے بڑے ہسپتال قائم ہو گئے۔ اس کے علاوہ سات ملٹری ہسپتال اور سات خاص ہسپتال کھول دیئے گئے اس کے علاوہ پچاس ڈسپنسریاں کھولی گئیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے گشتی ہسپتال قائم کئے گئے جو کہ صحرا اور چراگاہوں میں بدوؤں کے علاج کے لئے مخصوص تھے۔ اسی طرح جدہ میں صحت کا ایک بہت بڑا مرکز قائم کیا گیا جو حجاج کی طبی ضروریات کو پورا کرنے لگا۔ باہر سے آنے والے وفود کی نظافت اور ان کو امراض سے بچانے کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلہ میں مصر۔ شام۔ جرمنی کے مشہور ڈاکٹروں اور فنکاروں سے امداد لی گئی۔ ہر جگہ علاج مفت کر دیا گیا۔

مواصلات۔ وزارتِ مواصلات نے باوجود ملک کے وسیع ہونے پہاڑوں ریگستانوں اور صحراؤں کے ہونے ہوئے بھی اس تمام مشقت کو برداشت کیا۔ پہاڑوں جنگلوں اور صحراؤں کو چیرتے ہوئے ملک کے کونے کونے کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔ پکی سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ مدینہ جدہ اور مکہ کی پکی سڑک جو کہ ۴۹۵ کیلومیٹر لمبی ہے اس کو بنایا۔ حج کے تمام راستوں کو پکا کیا گیا۔ مکہ عرفات منیٰ اور مزدلفہ کے سب راستے پختہ بنائے گئے۔ ریاض کی پکی سڑک خرج کی پکی سڑک مکہ سے طائف اور طائف سے ابہا کا راستہ غرضیکہ دو ہزار کیلومیٹر پکی سڑک بنائی گئی اس کے ساتھ ہی ریلوے لائن قائم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ ریاض سے دمام تک تو ریلوے لائن مرحوم ملک عبدالعزیز بن سعود کے زمانہ میں بن گئی تھی۔

مگر وزارت المواصلات اب نئے منصوبوں پر عمل میں مصروف ہے جس کی اجازت شاہ سعود نے آج سے چار سال پہلے دے دی تھی۔ وزارت مواصلات اب ریاض سے خلیج الغر تک ریلوے لائن بچھانا چاہتی ہے۔ جو قسیم، قصیم، مدینہ۔ ینبوع، جدہ اور مکہ کو آپس میں ملائے گی۔ حجاز ریلوے لائن کو دوبارہ بچھانے پر اتفاق ہو گیا ہے اور کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ ریلوے لائن مدینہ سے دمشق تک ہو گی۔ جیسا کہ پہلے ترکوں کے زمانہ میں تھی۔

ملک کے حصوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے لئے اور دارالحکومت کے ساتھ تعلق جوڑنے کے لئے اور بیرونی ممالک کے ساتھ ربط قائم رکھنے کے لئے۔ لاسلکی کے کوئی تقریباً ستر مرکز قائم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سے تار اور ڈاک کا سلسلہ بھی وسیع تر ہو گیا ہے۔

فوجی ترقی۔ فوجی ترقی کی رفتار بھی دوسرے مراحل کی طرح بہت آگے بڑھ گئی۔ شاہ سعود نے ریاض میں ایک بہت بڑا ملٹری کالج کھولا جس کا نام کلیۃ الملک عبدالعزیز الحربیہ رکھا۔ جس میں فوجی تربیت دینے والے بڑے بڑے ماہرین اور استاد مصر وغیرہ سے مہیا کئے گئے۔ یہاں ایک بات ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب میں ریاض کے شرعی کالج میں زیر تعلیم تھا تو ۱۹۵۶ء میں جب انگریز اور فرانس وغیرہ نے مصر پر حملہ کیا جن کا مقابلہ جمال عبدالناصر نے بڑی بہادری اور دلیری سے کیا شاہ سعود نے بھی بہت امداد دی اس کے علاوہ بھی دیگر اسلامی ملکوں نے کافی امداد کی۔ ان دنوں چونکہ جنگ کا چرچا تھا سعودی سکولوں کالجوں میں یہ آواز پیدا ہوئی کہ انہیں فوجی ٹریننگ ملنی چاہئیے۔ چنانچہ فوجی ٹریننگ کے سلسلہ میں ہم بھی ملٹری کالج میں جانے لگے۔ موٹریں آجاتی تھیں اور ہمیں شرعی کالج سے ملٹری کالج لے جاتی تھیں اور سکول اور کالج کے طلبا بھی وہاں ٹریننگ

کے لئے رسمی طور پر بلائے گئے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں مختلف مدارس اور کالجوں کے طلبأ وہاں جمع ہو جاتے پھر ایک نظام کے ماتحت اُن کے مختلف فرقے بنا کر ہر قسم کی ٹریننگ دی جاتی تھی جب سورج غروب ہو جاتا تو فوراً ایک فوجی اذان دیتا۔ سب بڑے بڑے فوجی افسر ٹریننگ دینے والے اور لینے والے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور ہزاروں کی تعداد میں اُسی ٹریننگ کے میدان میں مغرب کی نماز ادا کر کے گھروں کو واپس آجاتے یہ قابلِ رشک زندگی شاید اسی ملک کا ہی حصّہ ہو گی۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اسلامی ملکوں کی فوجوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنائے۔ ہم تو اُس رہبرِ کامل کے غلام ہیں جس نے چلتی تلواروں میں نماز کو نہ چھوڑا بہتے خونوں کے ساتھ نماز سے تساہل نہ برتا۔ اللہ اللہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک ابھی تک زندہ ہے۔ اُس نے توحید کا بیج ایسا دلوں میں بویا کہ کوئی اُسے اکھاڑ نہیں سکتا۔

ہاں تو اس ملٹری کالج کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں ملٹری ہائی سکول قائم کئے گئے۔ بڑی کثرت کے ساتھ طلّاب شوقِ جہاد میں ان مدرسوں میں داخل ہونے لگے۔ وزارتِ دفاع نے بہت سے طلّاب کو حربی فنوں کی تربیت کے لئے مصر انگلینڈ اور امریکہ میں بھیجا اسی دوران میں ایک جماعت پیراشوٹ سے اترنے والی تیار کی۔ جب ان کی ٹریننگ مکمل ہوئی اور انہوں نے پیراشوٹ سے اترنے کا امتحان دیا۔ ریاض کے ایک بہت وسیع میدان میں تمام ریاض جمع ہو گیا سکولوں اور کالجوں کو اس دن چھٹی ہو گئی میں بھی ان دنوں شرعی کالج میں موجود تھا شاہ سعود کے لئے خاص اہتمام سے ایک سٹیج لگایا گیا تھا۔ پچاس نوجوانوں کی ایک فوج اڑتے جہازوں سے پیراشوٹ کے ذریعہ نیچے اتری اور اس طرح سے یہ پہلی جماعت کامیاب ہوئی بادشاہ نے آگے بڑھ کر سب کو سلام کیا اور اُن کی بہت دلجوئی کی

ہر ایک کو ایک ایک سنہری گھڑی انعام دی گئی۔

اسی طرح اسلحہ کے لئے ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا اور اُسی کو فوجی ذخیرہ بھی بنایا۔ یہ مرکز خرج میں ہے۔ اس میں بڑے بڑے مصری ماہرین اور دیگر ممالک کے متخصصین کو لایا گیا اور اُن کی نگرانی میں یہ سب کچھ تیار ہونے لگا۔

زرعی اصلاحات۔ شاہ سعود کے زمانہ میں وزارت زراعت نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دئیے۔ ملک میں جگہ جگہ کنوئیں کھودے گئے تاکہ ان کا پانی نکال کر زراعت کے کام لایا جاسکے۔ اس قسم کے کنوئیں ریاض کے گردونواح، قصیم، مدینہ اور جیزان میں نکالے گئے۔ اسی طرح جگہ جگہ زراعتی فارم قائم کئے گئے جس میں ماہرین فن کو بلایا گیا اور ان فارموں کی تنظیم کی گئی۔ اسی طرح جانوروں کی تربیت کے مراکز اور فارم بنائے گئے۔ پولٹری فارم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کھاد اور بیجوں کی حفاظت کے مرکز ریاض، خرج احساء، قصیم، جیزان اور مدینہ میں قائم کئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کتنے بڑے بڑے بند باندھے گئے تاکہ سیلابوں اور بارشوں کا پانی ایک جگہ جمع ہو اور وہاں سے اُسے پینے اور زراعت کے کام میں لایا جاسکے اور وسیع ترین زمین کے خطہ کو سیراب کیا جاسکے ان بندوں میں سے بڑے بڑے بند وادی حنیفہ کا بند جو کہ ریاض میں ہے۔ عاقول کا بند جو کہ مدینہ میں ہے۔ عکرمہ کا عظیم ترین بند جو کہ طائف میں ہے یہ سارے بند میں نے خود دیکھے ہیں۔ دیکھ کر حیرت گم ہو جاتی ہے کہ ان پہاڑوں اور وادیوں میں باوجود وسائل کی کمی کے کس طرح اتنے بڑے بڑے بند قائم کر دئے گئے ہیں۔

شاہ سعود کی خارجی سیاست۔ شاہ سعود نے اپنی خارجہ پالیسی کا ذکر مجلس الوزراء کے پہلے اجلاس میں کیا تھا جو کہ ریاض میں منعقد ہوئی تھی جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلوں گا اور کہا کہ سب سے بڑا اہم اور ضروری کام میرے نزدیک تمام عربوں کو ایک صف میں لاکر

کھڑا کرنا ہے۔ جامعۃ عربیہ میں اُن کے جملہ مصالح کی تائید اور دفاع مشترک کے معاہدہ پر قائم رہنا ہمارا فرض ہے۔ غیر عربوں کے ساتھ اپنی خارجہ پالیسی کا ذکر کرتے ہُوئے انہوں نے کہا وہ تمام کے ساتھ سیاسی تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا رہے گا۔ ہر حکومت جو ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے گی ہم بھی اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گے۔ چنانچہ شاہ سعود نے عملی قدم اٹھایا تمام عرب اور اسلامی ممالک کا دورہ کیا۔ آپ نے یمن، قطر، بحرین، کویت، مصر، سوریا، لبنان، اردن، عراق، پاکستان، ہند، ایران، مراکش، تونس لیبیا تمام جگہوں میں دوستانہ تعلقات بڑھانے کے لئے مختلف دورے کئے۔ اجنبی ملکوں میں بھی دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ آپ نے اسپانیہ، امریکہ، جرمنی، سویزا کا دورہ بھی کیا تاکہ ان کا تعلق عربوں اور مسلمانوں سے جُڑ جائے۔

عرب اور مسلمانوں کے مشاکل اور اُن کا حل

عرب اور مسلمانوں کے مشاکل حل کرنے کے لئے بھی شاہ سعود نے بہت بڑا حصّہ لیا۔ آپ ہمیشہ عرب اور مسلمانوں کے مفاد کو پیشِ نظر رکھتے تھے اسی طرح آپ کی آواز ان کی مشکلات کو حل کرنے اور ان کے قضایا کو نمٹانے میں سُنی جاتی تھی۔ جزائر کے مسئلہ کو حل کرنے میں آپ نے انتہائی کوشش کی مجاہدین جزائر کو آپ سے بڑھ کر کسی نے مالی مدد نہیں دی۔ فلسطین کے مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے آپ کا مُوقف ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ فلسطینی مہاجرین جو کہ سعودی عرب میں آ چکے تھے ان کے ساتھ بہت رحم دلی کا سلوک کیا۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان ہو کر اُن کے نزاع کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ عدوان ثلاثی یعنی جب تین بڑی طاقتوں نے مصر پر حملہ کیا کے وقت مصر کے ساتھ پورا

تعاون کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں انگریز اور فرانس سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر دیئے اِن واقعات نے شاہ سعود کو اتنا بلند کیا کہ تمام عرب ممالک اور اسلامی ممالک اُن کو اپنے دل میں جگہ دینے لگے۔

شاہ سعود اور امیر فیصل

رمضان ۱۳۷۷ھ میں شاہ سعود نے اپنے بھائی امیر فیصل کو بہت بڑے اختیار دے دیئے ولی عہد اور رئیس مجلس الوزرا ہونے کے علاوہ جملہ داخلی اور خارجی امور بھی اُن کے سپرد کر دیئے۔ تاکہ ملک زیادہ سے زیادہ ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ چنانچہ شاہی فرمان جاری ہوا۔ جس میں شاہ سعود نے کہا کہ بڑے غور و فکر کے بعد ہم یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ اپنے رئیس الوزراء کو جملہ مالی امور اور حکومت کی داخلہ اور خارجہ پالیسی کے تمام اختیارات سونپتے ہیں۔ مجلس الوزراء کے نظام میں غور و فکر کیا جائے اور اگر کسی تغیر و تبدل کی ضرورت ہو تو وہ تبدیلی کر دی جائے۔ ہم رئیس الوزراء کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہمارے اس ارادے کو نافذ کرے۔ اس کے بعد مجلسِ وزراء میں کچھ ردوبدل ہوا۔

شاہ سعود کی بیماری

۱۳۸۱ھ میں بادشاہ سعود پر اچانک بیماری کا حملہ ہوا شاہ سعود علاج کے لئے باہر چلے گئے۔ امیر فیصل کو اپنا نائب مقرر کیا اور جملہ امور اُن کے سپرد کر دیئے۔ ۱۳۸۳ھ میں جب بادشاہ نے دیکھا کہ اُس کی صحت اُس کا ساتھ نہیں دیتی ہے تو جملہ امور اپنے بھائی کے سپرد کر کے خود آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔

شاہ سعود کی مملکت سے دست برداری اور ملک فیصل کا انتخاب

شاہ سعود اپنی مستقل بیماری کی بنا پر امورِ مملکت کو سنبھالنے سے قاصر تھا اس لئے جمہور علما نے شرعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ شاہ سعود مملکت سے اس عذر کی بنا پر دست بردار ہو جائے اور اس کے بعد ولی عہد امیر فیصل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ انہوں نے اپنا فتوی مجلس وزراء کے سامنے پیش کر دیا چنانچہ بروز سوموار ساڑھے چار بجے عربی وقت کے مطابق مجلسِ وزراء اور مجلس شوری کا ایک اہم ترین اجلاس ریاض میں امیر خالد بن عبد العزیز نائب رئیس مجلس الوزراء کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں آل سعود کے خاندان کے امرا اور جمہور علما کا خطاب پڑھ کر سنایا گیا۔ جس میں انہوں نے متفقہ طور پر اس بات کا اعلان کیا کہ آج سے ملک سعود بن عبد العزیز بن عبد الرحمٰن الفیصل آل سعود کو ملک سے دست بردار سمجھا جائے اور ان کی جگہ ہم متفقہ طور پر ولی عہد امیر فیصل بن عبد العزیز بن عبد الرحمن آل سعود سے اس ملک کا بادشاہ اور امام المسلمین ہونے کی بیعت کرتے ہیں۔ اور یہ طلب اُس شرعی فتوی کی بنا پر ہے جو کہ علما کی طرف سے صادر ہوا ہے۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس لئے جمہور کا مطالبہ ہے کہ ملک فیصل ہماری اس خواہش کا احترام کرے اور ملک کی باگ ڈور سنبھال کر اللہ کا تقوی اختیار کرے اور تمام معاملات میں شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے اور اپنی رعیت کو بھی اسی شریعت پر چلنے کی دعوت دے اور مجبور کرے۔ اس اعلان کے بعد مجلس وزراء اور مجلس شوری نے جمہور کی طلب پر شاہ سعود کے ملک سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا۔ تمام امرا علما مجلسِ وزراء کے ارکان اور مجلس شوری کے تمام ارکان نے متفقہ طور پر ملک فیصل کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس وقت وہ بیعت

کر رہے تھے اُن کے وہ الفاظ سننے کے قابل ہیں۔ جو وہ کہہ رہے تھے۔
تمام علمائ امرا پولیس اور فوج کے بڑے بڑے اعلیٰ افسر اور مختلف دفاتر اور اداروں کے بڑے بڑے رئیس اور افسر اور حکامِ اعلیٰ سب جمع تھے ملک فیصل اُن کے سامنے کھڑا تھا اور سب یہ کہہ کر اُس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال رہے تھے کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے ہاتھ میں بیعت کر رہے ہیں۔ ہم سب سمع وطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہر راحت وتنگی کے موقع پر اس عہد پر قائم رہیں گے۔

ملک فیصل کی بیعت لوگوں سے

ملک فیصل لوگوں سے بیعت قبول کرتے وقت جو جواب پیش کر رہے تھے وہ بھی سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ ان الفاظ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی روح کام کر رہی ہے یہ وہی الفاظ ہیں جو کبھی درعیہ کی امامت کے وقت لوگوں کے سامنے کہے گئے تھے۔ یہ وہی بیعت ہے جس کا اعلان خلفائ راشدین نے سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے لے کر آلِ سعود کے تمام امرأ اسی عہد کا اعلان کرتے رہے۔ ہر اسلامی حکومت کا یہی فرض ہے کہ اُس کا ہر قائد اور رئیس یہی عہد کرے اور یہی حلف اٹھائے۔ یہی اسلام کی روح رواں ہے اور اسی کے لئے مرنا اور جینا ہے۔ بیعت کرتے وقت ملک فیصل یہ کہہ رہا تھا کہ میں اپنی طرف سے جو تم سے بیعت کر رہا ہوں وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تحکیم شریعت پر کر رہا ہوں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میں ہر امر میں شرعِ متین کا خادم رہوں گا۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ میں اس ملک کی حفاظت اور جمہور کی خدمت میں بدستور کوشاں رہوں۔ اُن کی دنیا ودین کو بہتر بنانے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ میں

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور آپ سب کو ہدایت پر قائم رکھے اور اس رشد و ہدایت کے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبع بنائے اور ہم سب کو دین کی نصرت کی توفیق بخشے۔

ملک فیصل کی مختصر سیرت

شاہ فیصل ۱۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو ریاض میں پیدا ہوا۔ اس سال عبدالعزیز آل رشید کا قتل ہوا اور ابن سعود فتح پا کر کامیاب و کامران ہوا۔ آپ کی ولادت ایک نیک فال کا پیش خیمہ تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت اس گھرانے میں ہوئی جہاں سے ہر وقت قرآن پاک کی آوازیں بلند ہوتی رہتی تھیں اور احکام شرعیہ کا ہر وقت دور چلتا رہتا تھا آپ کا نانا الشیخ عبداللہ بن عبداللطیف تھا جو کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پوتا تھا۔ یہ نجد کا سب سے بڑا عالم تھا۔ آپ نجیب الطرفین کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ایک طرف آل سعود اور دوسری طرف آل شیخ گویا آپ دونوں خاندانوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ گھرانہ آپ کی نشو و نما کے لئے کافی تھا۔ ابن سعود کے نزدیک ان کے والد کے بعد یہی قابل تعظیم شخصیت تھی۔ ملک فیصل نے چھ سال کی عمر کے بعد تعلیم شروع کی۔ ابتدائی زندگی میں ہی آپ کے ذکاء اور فہم و تدبر کا چرچا ہونے لگا چنانچہ بارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر کے عربی علم و ادب کا کافی کچھ ذخیرہ جمع کر لیا۔

شاہ فیصل میدان کارزار میں

۱۳۳۶ھ میں ملک فیصل میدان کارزار میں نبرد آزما ہوا۔ یاطب کی جنگ میں پہلی دفعہ شرکت کی جبکہ آپ کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس خداداد قابلیت کی

بنا پر وہ اپنے تمام ہمعصروں سے بازی لے گیا۔ قدرت کو معلوم تھا کہ آگے چل کر یہ درخشندہ ستارہ کس طرح اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے باعث فخر ہوگا۔

۱۳۴۳ھ میں جب آپ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچے باپ کو بیٹے کی فہم و فراست کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا چنانچہ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں ملک عبدالعزیز بن سعود کی طرف سے شاہی فرمان شائع ہوا جس میں اعلان کیا گیا کہ ہمارا بیٹا امیر فیصل حجاز کی حکومت میں ہمارا نائب ہوگا۔ حجازی حکومت کے جملہ امور انہیں سونپ دیئے۔ آپ نے بڑے عمدہ طریقے سے حجاز کی حکومت کو سنبھالا۔ اپنے بلند کردار کی بنا پر تمام حجازیوں کو اپنی طرف مائل کر لیا اور وہ آپ سے والہانہ محبت کرنے لگے۔

شاہ فیصل کا مجلسِ شوریٰ کا رئیس مقرر ہونا

۱۳۴۵ھ میں شاہ ابن سعود کا فرمان جاری ہوا۔ جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ امیر فیصل جملہ دفاتر اور اداروں کو پوری طرح منظم کرے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ انہیں مجلسِ شوریٰ کا رئیس مقرر کیا جاتا ہے۔ ۱۳۷۴ھ میں جب شاہ سعود بن عبدالعزیز عرشِ مملکت پر جلوہ فروز ہوا۔ تو انہوں نے امیر فیصل کے ولی عہد ہونے اور مجلس وزراء کے رئیس ہونے کا اعلان کیا۔ اس دوران میں انہوں نے بہت اہم سیاسی کارنامے سر انجام دیئے جس کو ساری دنیا جانتی ہے۔

۱۶ ذوالقعدہ ۱۳۸۳ھ میں علماء اور عوام کی ایک قرارداد سے امیر فیصل شاہ سعود کا نائب بنا جس کی بنا پر مملکت کے جملہ اختیارات آپ کے سپرد ہوئے۔ اس کے بعد ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ کو شاہ سعود کے ملک سے دست بردار ہونے کے بعد شاہ فیصل المملکۃ العربیۃ السعودیہ کا بادشاہ منتخب ہوا۔ اس کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ مملکت کو سنبھالتے ہی انہوں نے ملک و ملت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ وہی

عزائم اور وہی ولولے آج بھی اُن میں موجود ہیں جس پر پہلے دن سے اُن کی تربیت ہوئی تھی اور جس کا اعلان انہوں نے قوم سے بیعت لیتے وقت کیا تھا۔ وہ اپنے والد مرحوم کے کھینچے ہوئے خط پر آج بھی کتاب و سنت کی روشنی میں گامزن ہیں۔ اس کا زندہ ثبوت ان کا وہ تاریخی بیان ہے جو انہوں نے امسال ۱۳۸۴ھ کے حج میں مؤتمر اسلامی کے سامنے دیا تھا۔ بیان سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے تمام اسلامی ممالک کے رؤسا اور نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا جو کہ مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لئے مکہ مکرمہ میں جمع تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے کس طرح غیر اسلامی نظام کو تھامے ہوئے ہیں۔ ہمارے اسلام کی دلیل یہ ہے کہ ہم قرآن کے نظام کی طرف آئیں اور باطل نظاموں کو کلیتہً چھوڑ دیں۔

بہر حال آپ مومن صادق اور عالمِ دین ہونے کے علاوہ مجاہد اعظم بھی ہیں۔ کتنی بار باپ کی زندگی میں فوجوں کی قیادت سنبھالی۔ عسیر، تہامہ، جیزان، حدیدہ اور یمن کے کتنے علاقے فتح کئے۔ موجودہ دور میں شاہ فیصل آل سعود کے چشم و چراغ پوری دنیا کو اسلام اور اسلامی نظام کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام کے سوا دنیا کا امن کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ رابطہ عالمِ اسلامی اس کی ایک زندہ مثال ہے۔ جس کی شاہ سعود سرپرستی کر رہے ہیں۔

شاہ فیصل آج بھی شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی دعوت، کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ عالم اسلام کا دورہ اور تمام مسلمان رہنماؤں کو اتحاد کی دعوت دینا۔ اور اتحاد اسلامی کی کوشش کرنا بر اُن کے صادق القول ہونے کی ایک زندہ مثال ہے۔ وہ ساری دنیا کو یہ دعوت دے رہے ہیں کہ تمہاری تمام بیماریوں کا علاج اسلام ہے اور دنیا کے فتنہ و فساد کو مٹانے کے لئے قرآن و سنت کا عدل و انصاف قائم کرنا ضروری ہے اس کے سوا دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

شاہ فیصل کے تخت سنبھالنے کے بعد کارنامے

سب سے بڑا کارنامہ جو شاہ فیصل کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا وہ مسجد الحرام کی توسیع کی تکمیل ہے۔ یہ اسی مردِ مجاہد کا کام ہے کہ ان حالات میں حرمِ پاک کو اِس انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

اس کے علاوہ۔ رابطہ عالمِ اسلامی کی تاسیس اور اس کی نگرانی یہ انہی کا کمال ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ فیصل ساری دنیا میں اسلام کے نظام کے سوا کسی اور نظام کو پسند نہیں کرتا اور یہی نظام اپنے ملک میں جاری رکھا ہے اور بار بار کہہ چکا ہے کہ یہی ہماری زندگی کا مقصدِ عظیم ہے۔

گوناگون مصروفیات کے باوجود اسلامی ملکوں کا دورہ یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ شاہ فیصل اپنے اندر اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا درد رکھتے ہیں۔ ملک کا انتظام جس انداز میں انہوں نے سنبھالا ہے۔ یہ اُن کا ہی حصّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں زندہ سلامت رکھے۔ اور وہ اسلام کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں۔

یہاں پہنچ کر ہم اس مبارک کتاب کے سلسلے کو ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ مقصود یہی تھا کہ شیخ محمدؒ بن عبد الوہابؒ اور آلِ سعود کی تاریخ اور سیرت بیان کی جائے۔ شاید اس سے کوئی عبرت حاصل کرلے۔ اور اس دنیا میں داعیِ حق بن کر نکلے اور شیخ کی طرح بالکل ناسازگار حالات میں کامیاب ہو جائے۔ شاید کوئی مردِ مجاہد موجودہ اسلامی حکمرانوں میں سے اٹھے اور آلِ سعود کی طرح کتاب وسنت کی ایک عملی تصویر لوگوں کے سامنے

پیش کر دے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آلِ سعود کی حکومت کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ جنہوں نے خدا کے دین کو زندہ رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اور خصوصًا شاہ فیصل کی عمر دراز ہو تاکہ دنیا اُن کے پُر اَمن دَور سے متمتع ہوتی رہے آمین!

مدت دراز سے اس مبارک کتاب کے جمع کرنے کی آرزو اور تمنا تھی تاکہ اللہ کے بندوں کے عظیم الشان کارنامے لوگوں کے سامنے آئیں اور باعث عبرت بنیں۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہُوا کہ اُس نے مجھے اس مجموعہ کے تیار کرنے کی توفیق بخشی اور موقع دیا کہ میں نے بہم محنت سے اِس گلدستہ کو تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِس کو قبول فرمائے اور اخلاص عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبیّنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد شریف مدرس الجامعۃ الاسلامیہ مدرس الحرمین الشریفین

المدینۃ المنورہ

۶/۳/۱۳۸۵ھ

(مطبوعہ: اشرف پریس لاہور) محمد نواز کاتب کیلانی